خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها

"اے پیغمبر! آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کو پاک صاف کریں" (القرآن)

زکوٰۃ، عشر اور صدقۃ الفطر

فضائل، احکام و مسائل

حافظ صلاح الدین یوسف

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا

"اے پیغمبر! آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کو پاک صاف کریں" (القرآن)

زکوٰۃ، عُشر اور صدقۃ الفطر

فضائل، احکام و مسائل

حافظ صلاح الدین یوسف

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الرّیاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدّہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہیوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نسیم الدین الخطاب فون: 4186619 416 001

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دارالسلام انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091

• ہدی بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • ایم/ایس ہدایت انٹرپرائز فون: 42157847 44 0091

سری لنکا • دارالکتاب فون: 358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون: 00 4 32 372 ,24 400 372 ,34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

• غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈائمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092

info@darussalampk.com | www.darussalampk.com

فہرست مضامین

❀ ❀ ❀

عرضِ مؤلف

زکوٰۃ' جو اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن بھی ہے' ایک ایسا فریضہ ہے جس کے دو پہلو ہیں۔ عبادت ہونے کے اعتبار سے اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور چونکہ اس سے بندگان الٰہی بھی فیض یاب ہوتے ہیں' لاکھوں کروڑوں فقراء و مساکین' یتامیٰ و بیوگان اور معذور و اپاہج قسم کے افراد کے معاشی مفادات زکوٰۃ سے وابستہ ہیں۔ اس لحاظ سے اس کا تعلق حقوق العباد سے بھی ہے۔ اس سے زکوٰۃ کی اہمیت و افادیت واضح ہے۔

اس کے عبادت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ادائیگی سے انسان کو اللہ کا خصوصی قرب اور اس کی رضا حاصل ہوتی ہے اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ معاشرے کے معذور و نادار افراد کی معاشی کفالت کا بھی ایک بہت بڑا ذریعہ ہے جس سے ایک انسان کے دل میں ضرورت مندوں کی خبر گیری اور ان کی خیر خواہی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

اس کی اس دوگونہ حیثیت ہی کی وجہ سے دیگر عبادات میں اسے ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت کی وجہ سے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ اس میں ایک طرف زکوٰۃ کے تمام ضروری مسائل کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے' کیونکہ اس کی تعبدی حیثیت کا تقاضا ہے کہ اس کی ادائیگی میں اللہ و رسول کے احکام و ہدایات کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو دوسری طرف اس کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے جن کے ذریعے سے زکوٰۃ کے معاشی و معاشرتی فوائد سامنے آسکیں اور معاشرے کے ضرورت مند افراد کی فلاح و بہبود کے لیے اس سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جاسکے۔

واقعہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے اس معاشرتی پہلو سے اس طرح فائدہ نہیں اٹھایا گیا نہ اٹھایا جارہا ہے' جس طرح کہ اس کا حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظامِ زکوٰۃ کے باوجود

- مسلمان معاشروں میں معاشی ناہمواری انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے' ایک طرف امارت کے

جزیرے آباد ہیں تو دوسری طرف غربت و ناداری کی اتھاہ گہرائیاں ہیں۔

- گداگری کی لعنت عام ہے۔
- سفید پوش قسم کے لوگوں سے تعاون کا کوئی آبرومندانہ انتظام نہیں ہے۔
- گردشِ دولت کی وہ صورت نہیں ہے جو اسلام میں مطلوب ہے' بلکہ دولت کا ارتکاز ہے جو اسلام میں بالعموم ناپسندیدہ ہے۔
- باہم تعاون و تناصر کی وہ صورتیں نہیں ہیں جن کا اہتمام زکوٰۃ کے ذریعے سے کیا جاسکتا ہے۔
- اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کا وہ اہتمام بھی نہیں ہے جو زکوٰۃ کے ایک مصرف۔ فی سبیل اللہ۔ کے قدرے وسیع مفہوم و مطلب کا تقاضا ہے۔
- اسی طرح تالیف قلب کا بھی خاص اہتمام نہیں ہے جس کے ذریعے سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کیا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں ان تمام پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے جو علماء کے لیے بھی قابل غور و فکر ہیں اور اربابِ بست و کشاد کے لیے بھی لمحہ ٔ فکریہ۔ اللہ کرے اس کتاب کی تالیف و اشاعت سے یہ مقصد حاصل ہوسکے۔ وما علینا الا البلاغ

(حافظ) صلاح الدین یوسف
شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ۔ نومبر ۲۰۰۱ء

باب : اوّل

کتاب الزکوٰۃ

(ا) پچھلی شریعتوں میں زکوٰۃ کا حکم

زکوٰۃ اور نماز دین کے ایسے رکن ہیں' جن کا ہر دور میں اور ہر مذہب میں آسمانی تعلیمات کے پیروکاروں کو حکم دیا گیا ہے۔ گویا یہ دونوں فریضے ایسے ہیں جو ہر نبی کی امت پر عائد ہوتے رہے ہیں' تاآنکہ ختمی مرتبت ﷺ پر نبوت کا خاتمہ اور دین کی تکمیل کر دی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم' ان کے صاحبزادے حضرت اسحاق پھر ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِمْ فِعْلَ ٱلْخَيْرَٰتِ وَإِقَامَ ٱلصَّلَوٰةِ وَإِيتَآءَ ٱلزَّكَوٰةِ ۖ وَكَانُوا۟ لَنَا عَـٰبِدِينَ ﴿٧٣﴾ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۷۳)

''اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعے سے نیکیوں کے کرنے کا' نماز قائم کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُۥ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِۦ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ ﴾

(مریم۱۹/ ۵۵)

''وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿ إِنِّى عَبْدُ ٱللَّهِ ءَاتَىٰنِىَ ٱلْكِتَـٰبَ وَجَعَلَنِى نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِى مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَـٰنِى بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۳۰-۳۱)

"میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور نبوت سے سرفراز کیا ہے اور میں جہاں کہیں بھی ہوں' مجھے بابرکت بنا دیا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں' مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے۔"

بنی اسرائیل کو جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا تھا' ان میں یہ حکم بھی تھا:

﴿ وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۴۳)

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔"

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَئِنْ أَقَمْتُمُ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَيْتُمُ ٱلزَّكَوٰةَ وَءَامَنتُم بِرُسُلِى وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ ﴾

(المائدۃ: ۵/ ۱۲)

"اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور ان کی مدد کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہے تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے مٹا دوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں۔"

ان آیات سے واضح ہے کہ پچھلی تمام آسمانی شریعتوں میں بھی نماز اور زکوٰۃ کو ایک نہایت ممتاز اور اہم مقام و مرتبہ حاصل تھا۔

(۲) اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت و افادیت

دین اسلام نے بھی زکوٰۃ کی اس اہمیت کو نہ صرف برقرار رکھا' بلکہ اس میں مزید اضافہ کیا اور اسے اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں تیسرا رکن قرار دیا' فرمانِ رسالت مآب ﷺ ہے:

«بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ،

وَصَوْمِ رَمَضَانَ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم ايمانكم ...، ح:٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام...، ح:١٦)

"اسلام کی پانچ بنیادیں ہیں: (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) حج کرنا (اگر استطاعت ہو) اور (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔"

قرآن مجید میں عموماً جہاں بھی نماز کا ذکر یعنی اقامت صلوٰۃ کا حکم آیا ہے' زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم بھی ساتھ ساتھ ہے۔ دو درجن سے زیادہ مقامات پر قرآن کریم نے ﴿ اَقِيْمُوا الصَّلَاةَ ﴾ کے ساتھ ﴿ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید کے اس اسلوبِ بیان سے واضح ہے کہ دین میں جتنی اہمیت نماز کی ہے' اتنی ہی اہمیت زکوٰۃ کی ہے۔ ان دونوں میں بایں طور تفریق کرنے والا کہ ایک پر عمل کرے اور دوسرے پر نہ کرے' سرے سے ان کا عامل نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ جس طرح ترک نماز انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے' اسی طرح زکوٰۃ بھی شریعت میں اتنا اہم مقام رکھتی ہے کہ اس کی ادائیگی سے انکار' اعراض اور فرار مسلمانی کے زمرے سے نکال دینے کا باعث بن جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان لوگوں سے قتال کیا' جنھوں نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کر کے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَاللهِ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب ١، ح:١٤٠٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، ح:٢٠)

"واللہ! میں ان لوگوں کے خلاف ضرور جہاد کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریں گے۔"

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی اس رائے کو تشدد پر محمول کر کے توقف کیا اور آپ کو لچک دار رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا' لیکن خلیفۂ رسول نے اسے دین میں مداہنت

اور نرمی کہہ کر رد کر دیا اور ان پر مسئلے کی اہمیت واضح کی۔ تاآنکہ وہ بھی موقف صدیق رضی اللہ عنہ کے قائل و معترف ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«فَوَاللهِ! مَا هُوَ إِلاَّ أَنْ شَرَحَ اللهُ صَدْرَ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ» (حواله مذكور)

''اللہ کی قسم! اصل میں اللہ نے ابوبکر کا سینہ (جہاد کے لیے) کھول دیا' تو میں نے جان لیا کہ وہی (موقف ابوبکر) حق ہے۔''

اور اس طرح گویا اس امر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے قولاً یا عملاً انکار' اسلام سے خروج کا باعث ہے۔

(۳) زکوٰۃ کے معنی

لغوی اعتبار سے زکوٰۃ کے ایک معنی بڑھوتری اور اضافے کے اور دوسرے معنی پاک و صاف ہونے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح کے مطابق زکوٰۃ میں دونوں ہی مفہوم پائے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بقیہ مال پاک صاف ہو جاتا ہے اور عدم ادائیگی سے اس میں غرباء و مساکین کا حق شامل رہتا ہے جس سے بقیہ مال ناپاک ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی جائز اور حلال چیز میں ناجائز اور حرام چیز مل جائے تو وہ جائز اور حلال چیز کو بھی حرام کر دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكَاةَ إِلاَّ لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب في حقوق المال، ح: ١٦٦٤)

''اللہ نے زکوٰۃ اسی لیے فرض کی ہے کہ وہ تمہارے بقیہ مال کو پاک کر دے۔''

یہی بات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر میں بیان ہوئی ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ سورۂ توبہ کی آیت (۳۵) جس میں سونا چاندی جمع کر کے رکھنے پر سخت وعید آئی ہے' زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے:

«فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللهُ طُهْرًا لِلأَمْوَالِ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب ما أدي زكاته فليس بكنز، ح: ١٤٠٤)

''جب وہ آیت نازل ہو گئی تو اللہ نے زکوٰۃ کو مالوں کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا۔''

قرآن میں بھی یہ بات بیان کی گئی ہے:

﴿ خُذۡ مِنۡ أَمۡوَٰلِهِمۡ صَدَقَةٗ تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيهِم بِهَا ﴾ (التوبۃ ۹/ ۱۰۳)

"(اے پیغمبر!) ان کے مالوں سے صدقہ لے کر اس کے ذریعے سے ان کی تطہیر اور ان کا تزکیہ کر دیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ و صدقات سے انسان کو طہارت و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ طہارت کس چیز سے؟ گناہوں سے اور اخلاق رذیلہ سے۔ مال کی زیادہ محبت انسان کو خود غرض، ظالم، متکبر، بخیل، بددیانت وغیرہ بناتی ہے جبکہ زکوٰۃ، مال کی شدتِ محبت کو کم کر کے اسے اعتدال پر لاتی ہے اور انسان میں رحم و کرم، ہمدردی و اخوت، ایثار و قربانی اور فضل و احسان کے جذبات پیدا کرتی ہے اور جب انسان اللہ کے حکم پر زکوٰۃ ادا کرتا ہے، تو اس سے یقیناً اس کے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں۔ ﴿ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ﴾ (سورۃ ہود، ۱۱/ ۱۱۴) "بلاشبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔"

زکوٰۃ کے دوسرے معنی بڑھوتری اور اضافے کے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے بظاہر تو مال میں کمی واقع ہوتی نظر آتی ہے، لیکن حقیقت میں اس سے اضافہ ہوتا ہے، بعض دفعہ تو ظاہری اضافہ ہی اللہ تعالیٰ فرما دیتا ہے، ایسے لوگوں کے کاروبار میں ترقی ہو جاتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو مال میں معنوی برکت ضرور ہو جاتی ہے۔ معنوی برکت کا مطلب ہے خیر و سعادت کے کاموں کی زیادہ توفیق ملنا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے نیکی کے کام خوب کرواتا ہے، یہ اپنے تھوڑے سے مال سے مساجد و مدارس تعمیر کرتے یا ان کی تعمیر میں تعاون کرتے ہیں، معاشرے کے نادار اور بے سہارا افراد کی کفالت اور خبرگیری کرتے ہیں، جب کہ توفیق خیر سے محروم لوگ، چاہے وہ کروڑ پتی اور ارب پتی ہوں، ان سعادتوں اور فضل و احسان کی ان کرم گستریوں سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ صدقے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم۔ البر، باب استحباب العفو والتواضع، حدیث ۲۵۸۸) اس کے مزید دلائل حسب ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ وَيُرْبِي ٱلصَّدَقَٰتِ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷۶)

"اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَآ ءَاتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيٓ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ فَلَا يَرْبُواْ عِندَ ٱللَّهِ وَمَآ ءَاتَيْتُم مِّن زَكَوٰةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ ٱللَّهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُضْعِفُونَ ﴿٣٩﴾ ﴾ (الروم۳۰/ ۳۹)

"اور جو تم سود پر دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں بڑھے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو جس سے تمہارا مقصد اللہ کی رضا ہو' تو یہی لوگ ہیں (اپنا مال اور ثواب) دوچند کرنے والے۔"

ایک اور مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَّثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِّاْئَةُ حَبَّةٍ وَٱللَّهُ يُضَٰعِفُ لِمَن يَشَآءُ ﴾ (البقرة۲/ ۲۶۱)

"ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال' اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی سی ہے جو سات بالیاں اگاتا ہے' ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (اس سے بھی زیادہ) بڑھا دیتا ہے۔"

قرآن کریم کی ان تمام آیات میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی زکوٰۃ و صدقات کو مال میں اضافے کا سبب بتلایا گیا ہے۔ یہ اضافہ' جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے' ظاہری اور حقیقی طور پر بھی ہو سکتا ہے۔ (جیسا کہ اس کی بہت سی مثالیں ہمارے تجربہ و مشاہدہ کا حصہ ہیں) اور معنوی طور پر بھی ہو سکتا ہے اور اس کے بھی بہت سے نمونے دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور قیامت کے دن اجر و ثواب کے اعتبار سے تو یہ اضافہ ہر صورت میں ہر ایک کے لیے ہی ہو گا بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ حلال مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا گیا ہو گا۔ جیسے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَتَصَدَّقُ أَحَدٌ بِتَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، إِلَّا أَخَذَهَا بِيَمِيْنِهِ، فَيُرَبِّيْهَا كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ أَوْ قَلُوْصَهُ، حَتَّى تَكُوْنَ مِثْلَ

الْجَبَلِ، أَوْ أَعْظَمَ»(صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح: ١٠١٤)

''جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے' پھر اسے بڑھاتا ہے جیسے تمہارا آدمی اپنے بچھیرے (گھوڑی کے بچے) یا اونٹنی کے بچے کو پالتا ہے' یہاں تک کہ وہ کھجور' پہاڑ کی طرح یا اس سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔''

(۴) دنیوی برکت کی ایک عجیب و غریب مثال

دنیا میں اللہ تعالیٰ کس طرح بعض دفعہ برکت عطا فرماتا ہے اور اپنے بندوں کو خصوصی امداد سے نوازتا ہے' اس کی ایک مثال صحیح حدیث میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک وقت ایک آدمی ایک لق و دق صحراء سے گزر رہا تھا کہ اس نے بادل سے ایک آواز سنی ''فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر۔ پس بادل کا ایک ٹکڑا وہاں سے الگ ہوا اور ایک پتھریلی زمین پر اس نے پانی برسایا پھر ایک نالی میں ساری نالیوں کا پانی جمع ہو کر آگے کو بہنے لگا' وہ صحراء نورد اس پانی کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ تاآنکہ اس نے ایک آدمی دیکھا جو اپنے باغ میں کھڑا اپنے بیلچے سے پانی ادھر ادھر پھیر رہا تھا۔ اس نے اس باغبان سے کہا: اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام بتلایا' تو وہ وہی نام تھا جو اس نے بادل سے سنا تھا۔ باغبان نے اس نووارد سے پوچھا' بھائی! تم میرا نام کیوں پوچھتے ہو؟ اس نے کہا: بات یہ ہے کہ میں نے اس بدلی میں' جس کا پانی برس کر تیرے باغ میں آیا ہے' تیرا نام سنا تھا' کوئی کہہ رہا تھا ''فلاں کے باغ کو سیراب کر'' اور وہ تیرا یہی نام تھا جو تو نے مجھے بتلایا ہے۔ مجھے بتلا' تو کیا عمل کرتا ہے؟ اس نے کہا: تو مجھ سے پوچھ ہی بیٹھا ہے تو سن! میرے اس باغ سے جتنی پیداوار ہوتی ہے تو میں اس کے تین حصے کر لیتا ہوں۔ ایک حصہ صدقہ کر دیتا ہوں' ایک حصہ میں اور میرے بچے کھا لیتے ہیں اور تیسرا حصہ میں پھر (اگلی فصل تیار کرنے کے لیے) باغ میں لگا دیتا ہوں۔'' (صحیح مسلم' الزھد' باب فضل الانفاق' حدیث: ۲۹۸۴)

اسی طرح حدیث آگے آ رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کے لیے فرشتے دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ! فلاں شخص نے جو خرچ کیا ہے اسے اس کا بدلہ عطا فرما۔ فرشتے دعا کرنے والے ہوں تو پھر ایسے شخص کے مال میں برکت کیوں نہ ہو؟ یقیناً ہوگی اور ضرور ہوگی۔

(۵) فضائل و برکات

مذکورہ گزارشات کے بعد زکوٰۃ کی فرضیت کے مزید دلائل دینے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ تاہم زکوٰۃ و صدقات کے کچھ اور فضائل و برکات بیان کر کے ہم زکوٰۃ سے متعلقہ ضروری مسائل بعون اللہ و توفیقہ بیان کریں گے۔ حدیث قدسی ہے:

«قَالَ اللهُ: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ»(صحيح البخاري، التوحيد، باب ٣٥، ح:٧٤٩٦)

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اے ابن آدم!) تو (میرے ضرورت مند بندوں پر) خرچ کر میں (خزانۂ غیب) سے تجھ کو دیتا رہوں گا۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنْفِقِي وَلاَ تُحْصِي فَيُحْصِيَ اللهُ عَلَيْكِ وَلاَ تُوْعِي فَيُوْعِيَ اللهُ عَلَيْكِ اِرْضَخِي مَا اسْتَطَعْتِ»(صحيح البخاري، الهبة، باب٥، ح:٢٥٩١ والزكاة، باب ٢٢، ح:١٤٣٤ وصحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الإنفاق ح:١٠٢٩)

”(اللہ کی راہ میں کشادہ دلی سے) خرچ کرتی رہو اور گن گن کر مت رکھو، اگر تم گن گن کر اور حساب کر کے خرچ کرو گی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا، اور دولت جوڑ جوڑ کر بند کر کے مت رکھو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا۔ اس لیے جتنی توفیق ہو فراخ دلی سے خرچ کرتی رہو۔“

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلاَّ مَلَكَانِ يَنْزِلاَنِ فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا، خَلَفًا وَيَقُوْلُ الآخَرُ: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُمْسِكًا

تَلَفًا»(صحيح البخاري، الزكاة، باب ٢٧، ح: ١٤٤٢)

"ہر صبح دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں' ان میں سے ایک کہتا ہے: یااللہ! خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما' جب کہ دوسرا کہتا ہے: یااللہ! خرچ نہ کرنے والے کا مال تلف کردے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

«أَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَا بَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ: مَا بَقِيَ مِنْهَا إِلاَّ كَتِفُهَا، قَالَ: بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا»(جامع الترمذي، أبواب الزهد، باب ٣٣، ح: ٢٤٧٠)

"ایک بکری ذبح کی گئی' نبی ﷺ جس وقت تشریف لائے تو آپ نے پوچھا: اس بکری میں سے کیا بچا؟ حضرت عائشہ نے کہا: صرف اس کا شانہ باقی ہے۔ آپ نے فرمایا: دراصل باقی یہ نہیں اس کے علاوہ وہ تمام حصہ باقی ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کردیا گیا۔"

«إِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَدَقَتُهُ» (مسند أحمد: ٤/ ٢٣٣)

"قیامت کے دن مومن پر اس کے صدقے کا سایہ ہوگا۔"

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلاَّ عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلاَّ رَفَعَهُ اللهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، ح: ٢٥٨٨)

"صدقے سے مال میں کمی نہیں آتی' عفو اور درگزر سے آدمی نیچا نہیں ہوتا' بلکہ اللہ تعالیٰ اسے سربلند اور اس کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے فروتنی اور عاجزی اختیار کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے رفعت و بلندی عطا کرتا ہے۔"

نبی ﷺ سے پوچھا گیا' کون سا صدقہ اجر میں زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا:

«أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنٰى، وَلاَ تُمْهِلْ حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ: لِفُلاَنٍ كَذَا، وَلِفُلاَنٍ

كَذَا، وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ»(صحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن أفضل الصدقة صدقة الصحيح الشحيح، ح:١٠٣٢)

"زیادہ اجر و ثواب والا صدقہ وہ ہے جو تندرستی کی حالت میں اس وقت کیا جائے جب انسان کے اندر دولت کی چاہت اور اسے اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو اور اسے خرچ کی صورت میں محتاجی کا خطرہ اور (روک رکھنے کی صورت میں) دولت مندی کی امید ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم سوچتے اور ٹالتے رہو یہاں تک کہ دستِ اجل تمہارا گلا آن دبوچے اور اس وقت تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا مال فلاں کو اور اتنا فلاں کو (اللہ کے لیے) دے دیا جائے' دراں حالیکہ اس وقت وہ مال (تمہاری ملکیت سے نکل کر) فلاں (یعنی وارثوں) کا ہو چکا ہو۔"

(۶) زکوٰۃ سے اعراض و پہلوتہی پر سخت اُخروی وعید

ان فضائل و برکات کی پوری اہمیت اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرا پہلو یعنی صدقات و خیرات سے پہلوتہی و اعراض کی سخت وعید اور اس پر عذاب شدید کی تنبیہ سامنے نہ ہو۔ علاوہ ازیں انسانی طبائع مختلف ہوتے ہیں' بعض کے لیے صرف ترغیب و تحریص ہی عمل کی تحریک اور داعیہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے اور بعضوں کے اندر کسی کام کا داعیہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک اس کام کے نہ کرنے پر انہیں زجر و توبیخ اور تنبیہ و وعید کی دلگداز اور المناک تفصیلات نہ سنائی جائیں۔ بالفاظ دیگر انسان کے اندر داعیۂ عمل پیدا کرنے کے لیے (نفسیاتی طور پر) دو قوتیں ہیں: ایک محبت' دوسری خوف' بعض کو جذبۂ محبت (ترغیب و تحریص) آمادۂ عمل کر دیتا ہے اور بعض کے قوائے عمل تازیانے اور خوف کے بغیر متحرک نہیں ہوتے۔ بہرحال زکوٰۃ و صدقات سے اعراض و انکار کی صورت میں آخرت میں جس عذابِ شدید سے انسان کو دوچار ہونا پڑے گا اس سلسلے میں چند احادیث درج ہیں:

مال کی زکوٰۃ نہ دینے پر سخت وعید: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالاً فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيْبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ - يعني - بِشِدْقَيْهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلاَ ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا۟ بِهِۦ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ ﴾ (آل عمران٣/ ١٨٠)(صحيح البخاري، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ح:١٤٠٣)

''جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا' لیکن اس نے اس کی زکوٰۃ نہ دی تو وہ دولت' قیامت کے دن اس کے لیے گنجے سانپ کی شکل میں بنا دی جائے گی جس کی آنکھوں کے اوپر دو نقطے ہوں گے (یہ دونوں نشانیاں سخت زہریلے سانپ کی ہیں) وہ سانپ اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا' پھر وہ سانپ اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کھینچے گا اور کہے گا: ''میں تیرا مال ہوں' تیرا خزانہ ہوں۔'' یہ فرمانے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ''وہ لوگ جو اللہ کے فضل و کرم سے حاصل کردہ مال میں بخل کرتے ہیں (زکوٰۃ ادا نہیں کرتے) یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے (نہیں) بلکہ یہ ان کے حق میں (انجام کے لحاظ سے) بدتر ہے۔ یہ مال جس میں وہ بخل کرتے ہیں (اور اس کی زکوٰۃ بھی نہیں نکالتے) قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق بنا کے ڈال دیا جائے گا۔''

جانوروں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کیلئے سخت وعید : حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، أَوْ وَالَّذِي لاَ إِلٰهَ غَيْرُهُ - أَوْ كَمَا حَلَفَ - مَا مِنْ رَّجُلٍ تَكُوْنُ لَهُ إِبِلٌ أَوْ بَقَرٌ أَوْ غَنَمٌ لاَّ يُؤَدِّي حَقَّهَا إِلاَّ أُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمَ مَا تَكُوْنُ وَأَسْمَنَهُ، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَنْطَحُهُ بِقُرُوْنِهَا، كُلَّمَا جَازَتْ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُوْلاَهَا حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة البقر، ح:١٤٦٠)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' یا (فرمایا) قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' یا جیسے بھی آپ نے حلف اٹھایا (یعنی حلف کے الفاظ صحابی کو صحیح یاد نہیں رہے) جس آدمی کے پاس بھی کچھ اونٹ' گائیں یا بکریاں ہوں' وہ ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو اسے قیامت کے دن ان جانوروں سمیت لایا جائے گا' یہ جانور دنیا کے مقابلے میں زیادہ قد آور اور زیادہ موٹے تازہ ہوں گے' وہ اسے اپنے پیروں سے روندیں گے اور اپنے سینگوں سے ٹکریں مارتے ہوئے گزریں گے' جب آخر تک سب گزر جائیں گے' تو پہلے والے پھر اسی طرح اس پر لوٹائے جائیں گے حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلے ہونے تک اس کے ساتھ یہی معاملہ جاری رہے گا۔"

صحیح مسلم کی روایت میں یہ بات زیادہ تفصیل سے بیان ہوئی ہے' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلاَ فِضَّةٍ، لاَ يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلاَّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ، فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِيْنُهُ وَظَهْرُهُ، كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيْدَتْ لَهُ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتَّى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ، فَيَرٰى سَبِيْلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ، قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! فَالإِبِلُ؟ قَالَ: وَلاَ صَاحِبُ إِبِلٍ لاَ يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، وَمِنْ حَقِّهَا حَلْبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا، إِلاَّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، أَوْفَرَ مَا كَانَتْ، لاَ يَفْقِدُ مِنْهَا فَصِيْلاً وَّاحِدًا، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَعَضُّهُ بِأَفْوَاهِهَا، كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُوْلاَهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتَّى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ، فَيَرٰى سَبِيْلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ، قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ؟ قَالَ: وَلاَ صَاحِبُ بَقَرٍ وَّلاَ غَنَمٍ لاَ يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلاَّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ،

لاَ يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئًا، لَيْسَ فِيْهَا عَقْصَاءُ وَلاَ جَلْحَاءُ وَلاَ عَضْبَاءُ، تَنْطَحُهُ بِقُرُوْنِهَا وَتَطَؤُهُ بِأَظْلاَفِهَا، كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُوْلاَهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتَّى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ، فَيَرٰى سَبِيْلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ»(صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ح: ٩٨٧)

’’ہر وہ شخص جو سونے چاندی کا مالک ہے اور ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرتا' تو قیامت کے دن اسی سونے چاندی سے آگ کے تختے بنا دیئے جائیں گے اور ان کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا' پھر اس سے اس کے پہلو' اس کی پیشانی اور اس کی پشت کو داغا جائے گا۔ جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو پھر گرم کئے جائیں گے' (قیامت کے) اس دن میں اس طرح ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے یہاں تک کہ بندوں کا فیصلہ ہو جائے گا اور وہ اپنا راستہ جنت یا جہنم کی طرف دیکھ لے گا۔ سوال کیا گیا کہ اونٹوں کا معاملہ کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا: جو اونٹوں کا مالک ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرتا اور ان کا ایک حق پانی والے دن ان کا دودھ دوہنا (اور مستحقین کو پلانا) بھی ہے۔ ایسے مالک کو قیامت کے دن چٹیل میدان میں منہ کے بل لٹا دیا جائے گا' وہ اونٹ دنیا کے مقابلے میں زیادہ فربہ ہوں گے۔ ایک بچہ بھی وہ ان میں سے کم نہیں پائے گا' وہ اسے اپنے قدموں سے روندیں گے اور اپنے مونہوں سے کاٹیں گے' جب بھی اس پر سے تمام اونٹ گزر چکیں گے تو پھر نئے سرے سے گزرنا شروع ہو جائیں گے (اور یہ معاملہ قیامت کے اس دن میں (ہو گا) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہو گی' یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا اور یہ اپنا راستہ جنت یا جہنم کی طرف دیکھ لے گا۔ سوال کیا گیا' اللہ کے رسول! گائے اور بکریوں کا معاملہ کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا: جو بھی گایوں اور بکریوں کا مالک ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرے گا' تو قیامت کے دن اسے چٹیل زمین میں منہ کے بل لٹا دیا جائے گا' ان میں سے وہ کسی کو کم نہیں پائے گا' ان میں کوئی گائے یا بکری مڑے ہوئے سینگوں والی ہو گی نہ بغیر سینگوں کے اور نہ ٹوٹے

ہوئے سینگوں والی۔ وہ اپنے سینگوں سے اسے ماریں گی اور اپنے قدموں سے اسے روندیں گی' جب اس پر سے آخر تک سب گزر چکیں گی تو پھر دوبارہ نئے سرے سے گزرنا شروع ہو جائیں گی' (یہ معاملہ) اس دن میں (ہو گا) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہو گی' یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا اور یہ اپنا راستہ جنت یا جہنم کی طرف دیکھ لے گا۔"

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ جانوروں (اونٹ' گائے اور بکریوں) کی زکوٰۃ کے لیے "حق" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس میں یہ نکتہ مضمر معلوم ہوتا ہے (واللہ اعلم) کہ جن کے پاس یہ جانور مقررہ نصاب کی تعداد میں ہوں' تو پھر بھی وہ زکوٰۃ ادا نہ کریں تو وہ مذکورہ وعید کے مستحق ہوں گے۔ لیکن جن کے پاس یہ جانور نصاب سے کم ہوں تو ان کے مالکوں کے لیے پھر بھی یہ ضروری ہے کہ ان کا حق ادا کرتے رہیں یعنی ضرورت مندوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کا معاملہ کریں' ضرورت مندوں کو کچھ دودھ ہی دوھ کر دے دیں۔ اگر وہ اس سے گریز کریں گے تو قیامت کے دن وہ بھی مذکورہ وعید کے مستحق قرار پا سکتے ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ فرض کی ادائیگی تو جرم ہے ہی۔ لیکن بعض دفعہ اخلاق کریمانہ سے بے اعتنائی کرتے ہوئے ضرورت مندوں سے سنگ دلانہ برتاؤ کرنا اور ان سے رحم و کرم کا معاملہ نہ کرنا بھی عنداللہ جرم ہو سکتا ہے۔ اس لیے اللہ نے جس کو بھی جس حیثیت کا مالک بنایا ہے (قطع نظر اس کے کہ وہ صاحب نصاب ہے یا نہیں) وہ اپنے سے کم تر حیثیت کے افراد کے ساتھ حسن سلوک ہی کا معاملہ کرے' ضرورت مندوں سے جس حد تک تعاون کر سکتا ہے' ضرور کرے۔ حتی کہ زکوٰۃ ادا کر چکنے کے بعد بھی کوئی دینی ضرورت پیش آئے یا کوئی ضرورت مند سامنے آئے' تو اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے۔ اہل ایمان و تقویٰ کی یہی صفت اللہ نے بیان فرمائی ہے:

﴿ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۳)

''اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔''

سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے پر وعید: قرآن شریف کی یہ آیت بھی انہی لوگوں کی وعید میں نازل ہوئی ہے جو اپنے سونے چاندی اور اپنے مال و دولت میں سے زکوٰۃ نہیں نکالتے:

﴿ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٣٤-٣٥)

''اور جو لوگ سونا چاندی بطورِ خزانہ جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ جس دن کہ ان کی دولت کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا' پھر اس سے ان کے ماتھے' ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ ہے تمہاری وہ دولت جسے تم نے جوڑ کر رکھا تھا' پس تم اپنی اس دولت اندوزی کا آج مزا چکھو۔''

لیکن اس وعید سے وہ لوگ خارج ہیں جو اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکالتے اور صدقہ خیرات کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث اور اثر میں اس کی صاف وضاحت آئی ہے جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

(۷) ترک زکوٰۃ کی دنیاوی سزا

اس اخروی عقوبت کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی اس قوم کو' جو زکوٰۃ کی ادائیگی سے اعراض کرتی ہے' اِمساکِ باراں اور قحط سالی ایسے ابتلاء سے دوچار کر دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے:

«مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكٰوةَ إِلاَّ ابْتَلاَهُمُ اللهُ بِالسِّنِيْنَ»(رواه الطبراني في الأوسط، ح: ٤٥٧٧، ٦٧٨٨ وصحيح الترغيب للألباني: ١/ ٤٦٧)

''جو قوم بھی زکوٰۃ سے انکار کرتی ہے' اللہ تعالیٰ اسے بھوک اور قحط سالی میں مبتلا کر دیتا ہے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

«وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلاَّ مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلاَ الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا»(سنن ابن ماجه، الفتن، باب العقوبات، ح:٤٠١٩ وحسنه الألباني في الصحيحة، ح:١٠٦، ٢/ ٧، ٨)

''جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ بارانِ رحمت سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔ اگر چوپائے نہ ہوں تو ان پر کبھی بھی بارش کا نزول نہ ہو۔''

(۸) زکوٰۃ کے علاوہ دیگر صدقات

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اسلام کا مطالبہ صرف زکوٰۃ ہی پر ختم نہیں ہو جاتا' بلکہ صاحب استطاعت کو ہر ضرورت کے موقعے پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہنا چاہیئے۔ قرآن مجید نے اسی لیے متعدد مقامات پر ''زکوٰۃ'' کی بجائے۔ ''انفاق'' کا لفظ استعمال کیا ہے' جو عام ہے اور زکوٰۃ اور دیگر صدقات دونوں کو محیط ہے۔ ''متقین'' کی صفات میں بتایا گیا ہے:

﴿ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٣)

''اور وہ ہمارے دیے ہوئے مال میں سے انفاق (خرچ) کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ (البقرة٢/ ٢٦٧)

''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی سے انفاق (خرچ) کرو۔''

رسول اکرم ﷺ نے بھی فرمایا:

«إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ ثُمَّ تَلاَ: ﴿ لَّيْسَ ٱلْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ ﴾ (البقرة٢/ ١٧٧)(جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء أن في المال حقا سوى الزكاة، ح:٦٥٩)

''بلاشبہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ دیگر حق بھی ہے۔ پھر آپ نے آیت ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ..... الخ ﴾ تلاوت فرمائی۔''

دوسرے پارے کی اس آیت کے 'موضوع سے متعلق' باقی الفاظ یوں ہیں:

﴿ لَّيْسَ ٱلْبِرَّ أَن تُوَلُّوا۟ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ ٱلْمَشْرِقِ وَٱلْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ ٱلْبِرَّ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةِ وَٱلْكِتَٰبِ وَٱلنَّبِيِّۦنَ وَءَاتَى ٱلْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ ذَوِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينَ وَٱبْنَ ٱلسَّبِيلِ وَٱلسَّآئِلِينَ وَفِى ٱلرِّقَابِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۷۷)

"نیکی یہی نہیں ہے کہ اپنے رخ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرلو۔ اصل نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر' یوم آخرت پر' ملائکہ پر' کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال کی محبت کے باوجود اس مال کو قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں' سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرانے پر خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس آیت سے یہ استشہاد فرمایا کہ: ﴿ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ ﴾ کے بعد ﴿ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ﴾ مومنین کی ایک الگ صفت بتلائی گئی ہے' جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مومن زکوٰۃ کے علاوہ بھی ہر موقعے پر بوقت ضرورت خرچ کرتا رہتا ہے اور وہ کسی موقعے پر بھی انفاق سے ہاتھ نہیں کھینچتا۔ الغرض صاحب استطاعت کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد یہ سمجھ کر کہ میں نے فرض ادا کر دیا ہے' مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ بلکہ ہر ضرورت کے موقعے پر ﴿ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ (القصص :۲۸/۷۷) (جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے' اسی طرح تم بھی مخلوق خدا پر احسان کرتے رہو) پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

(۹) اہل قرابت' صدقات کے اوّلین مستحق ہیں

زکوٰۃ و صدقات کے وقت اس امر کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ ان کے اوّلین مستحق آدمی کے درجہ بدرجہ اپنے قرابت دار ہیں۔ قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی' جس میں غریب و بے سہارا افراد کی اعانت و دست گیری شامل ہے' حقوق العباد میں دوسرے نمبر پر ہے۔ سب سے پہلے آدمی کے والدین ہیں اور دوسرے نمبر پر اس کے دیگر قریب ترین رشتہ دار! اگر انسان کے پاس اہل خانہ اور والدین کی کفالت کے بعد کچھ مال بچ رہے تو اسے درجہ بدرجہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں پر خرچ کرنا چاہیے۔

اسے شریعت میں صلہ رحمی کہتے ہیں۔ اس صلہ رحمی سے دوگنا اجر ملے گا' ایک صلہ رحمی کا اور دوسرا صدقے کا۔ اس سلسلے میں بھی چند حدیثیں ملاحظہ فرمالی جائیں:

«اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ، صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ» (جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في الصدقة على ذي القرابة، ح:٦٥٨)

"مسکین پر صدقہ صرف ایک نیکی (صدقہ) ہے۔ لیکن قرابت مند پر یہ دو چیزیں ہیں' ایک صدقہ دوسرا صلہ رحمی۔"

«دِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيْلِ اللهِ، وَدِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِيْ رَقَبَةٍ، وَدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلٰى مِسْكِيْنٍ، وَدِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلٰى أَهْلِكَ، أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلٰى أَهْلِكَ» (صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة على العيال... الخ، ح:٩٩٥)

"وہ دینار جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اور وہ دینار جو گردن آزاد کرانے میں صرف کیا جائے اور وہ دینار جو کسی مسکین پر صدقہ کیا جائے اور وہ دینار جو اپنے گھر والوں پر خرچ کیا جائے' ان میں سب سے زیادہ اجر و ثواب اس دینار کا ہے جو آدمی اپنے اہل خانہ پر خرچ کرے۔"

«أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالصَّدَقَةِ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللهِ! عِنْدِي دِيْنَارٌ قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى نَفْسِكَ، قَالَ: عِنْدِي اٰخَرُ، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى وَلَدِكَ، قَالَ: عِنْدِي اٰخَرُ، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى زَوْجَتِكَ، قَالَ: عِنْدِي اٰخَرُ، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى خَادِمِكَ، قَالَ: عِنْدِي اٰخَرُ، قَالَ: أَنْتَ أَبْصَرُ» (سنن أبي داود، الزكاة، باب في صلة الرحم، ح:١٦٩١ وسنن النسائي، ح:٢٥٣٦)

"نبی ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا' تو ایک شخص نے کہا: میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے اپنے نفس پر خرچ کر۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور

ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے اپنے بچوں پر خرچ کر۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے اپنی بیوی پر خرچ کر۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا: اسے اپنے خادم پر خرچ کر۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ آپ نے فرمایا: (اس کے بعد) پھر تم بہتر جانتے ہو (کہ کون زیادہ قریب اور مستحق ہے۔)"

رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ عورتوں کو صدقے کی ترغیب دی تو اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی حضرت زینب اور ایک اور انصاری عورت' جس کا نام بھی زینب ہی تھا' دونوں نے اپنے اپنے شوہر ہی پر صدقہ کرنے سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا۔ آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ! لَهُمَا أَجْرَانِ، أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ»(سنن النسائي، الزكاة، باب الصدقة على الأقارب، ح: ٢٥٨٤ والإرواء، ح: ٨٧٨، ٨٨٤)

"ہاں اس طرح انہیں دو اجر ملیں گے۔ ایک صدقے کا' دوسرا صلہ رحمی کا۔"

اسی طرح جب آیت

﴿ لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا۟ مِن شَىْءٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِهِۦ عَلِيمٌ ﴿٩٢﴾ ﴾ (آل عمران٣/ ٩٢)

"تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز (فی سبیل اللہ) خرچ نہ کرو۔"

نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا میرے پاس سب سے زیادہ قیمتی اور محبوب مال بیرحاء کا باغ ہے۔ (خیال رہے کہ مدینہ میں یہ کھجور کا سب سے بڑا باغ تھا) اس آیت پر عمل کرتے ہوئے میں اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ جہاں مناسب سمجھیں اسے تقسیم کر دیں۔ آپ نے اس وقت انہیں یہ مشورہ دیا کہ اسے اپنے ہی رشتہ داروں میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا:

(۱۰) بدسلوکی کے باوجود اہل قرابت سے حسن سلوک اور صلہ رحمی کی تاکید

پھر اس صلہ رحمی (رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی) پر عمل صرف اسی صورت پر موقوف نہیں ہے کہ رشتہ داروں سے آپ کے تعلقات صحیح ہوں اور وہ آپ کے لیے خیرخواہانہ جذبات رکھتے ہوں۔ نہیں' بلکہ اس پر عمل ہر صورت میں ضروری اور فرض ہے کوئی رشتہ دار آپ سے عداوت رکھتا ہے' بدسلوکی کرتا ہے' تعلقات کو صحیح طریقے سے نبھانے کی کوشش نہیں کرتا اور آپ کے برادرانہ جذبات کو آپ کی کمزوری اور ذلت پر محمول کرتا ہے' تاہم غریب اور مستحق امداد بھی ہے' تو ایسے رشتہ دار کی امداد اور اعانت اس کی تمام ترکوتاہیوں کے باوجود آپ پر فرض ہے۔ محض ان رشتہ داروں کی کفالت و اعانت' جو آپ سے نیاز مندانہ تعلقات رکھیں' شریعت کی نظر میں صلہ رحمی نہیں' بلکہ یہ ﴿ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴾ (سورۃ رحمٰن :۵۵/۶۰) کی ایک صورت ہے--- اس سلسلے میں تفصیلات سے قطع نظر یہاں صرف دو حدیثیں درج کی جاتی ہیں' ان سے مسئلہ بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے:

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيءِ، وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا»(صحيح البخاري، الأدب، باب ليس الواصل بالمكافيء، ح: ۵۹۹۱)

"بدلے میں حسن سلوک' صلہ رحمی نہیں (کہ وہ تعلق رکھے تو تم بھی رکھو۔ وہ منقطع کرلے تو تم بھی ایسا کرلو) اصل صلہ رحمی یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی نے آکر عرض کیا' یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں' میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں' لیکن وہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں' لیکن وہ بدسلوکی سے پیش آتے ہیں۔ میں ان کے معاملات میں بردباری سے کام لیتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ جہالت پر اتر آتے ہیں' (اب میں کیا کروں؟)

آپ نے فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ، فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ، وَلاَ يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ، مَادُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم، وتحريم قطيعتها، ح:٢٥٥٨)

"تیرا طرزِ عمل اگر فی الواقع ایسا ہی ہے' جیسا تو نے کہا ہے' تو گویا تو ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے (یعنی اس کا نتیجہ ان کے حق میں بہت برا ہے) اور جب تک تیرا طرزِ عمل ایسا رہے گا' تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص مددگار رہے گا۔"

(۱۱) غربت و ناداری اور گداگری کے خاتمے کیلئے بہترین تدبیر

اہل قرابت کے بارے میں جو احکام بیان ہوئے ہیں' اگر مسلمان ان پر صحیح معنوں میں عمل کریں' تو ایک اسلامی معاشرے میں غربت و ناداری اور گداگری کے خاتمے کی یہ سب سے بہتر تدبیر ہے۔ اس لیے کہ ہر خاندان میں جتنے بھی یتیم' بیوائیں' معذور' بیمار اور بے سہارا یا کثیرالعیال قسم کے افراد ہوتے ہیں' وہ خاندان کے دوسرے افراد کے علم میں ہوتے ہیں۔ اگر ہر خاندان کے اصحابِ حیثیت لوگ اپنے خاندان کے مذکورہ قسم کے افراد کی خبرگیری اور کفالت کریں' جیسا کہ اسلام کی تعلیم ہے' تو ہر ضرورت مند کی ضروریات نہایت خاموشی اور آبرومندانہ طریقے سے پوری ہو سکتی ہیں' کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے اور گداگری کی یہ لعنت جو اسلامی ملکوں میں عام ہے' ازخود ختم ہو جائے۔

کراچی میں بعض خاندانوں نے اپنے خاندانوں کی حد تک ایک سوسائٹی کی صورت میں یہ نظام قائم کیا ہوا ہے' وہ اپنی زکوٰۃ کی رقم ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور پھر سارا سال اپنے خاندان کے ضرورت مند افراد کی اسی میں سے مدد کرتے رہتے ہیں' وہ اس رقم سے یتیموں کی سرپرستی' بیواؤں کی کفالت' بیماروں کا علاج معالجہ' کاروبار اور شادی بیاہ کے لیے تعاون

کرتے ہیں، جو افراد اپنے بچوں کی تعلیمی فیسیں اور اخراجات ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ان کے اخراجات ادا کرتے ہیں۔ نتیجتاً ان خاندانوں کے سب افراد اگر خوش حال نہیں بھی ہیں تو کوئی ایسا بھی نہیں ہے کہ محض غربت و ناداری یا معذوری و بیماری کی وجہ سے وہ در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو، یا بے بسی اور لاچارگی کی زندگی گزار رہا ہو۔

بہرحال اہل قرابت کے ساتھ ہر صورت میں حسن سلوک کرنا اور زکوٰۃ و صدقات میں ان کو اوّلیت دینا، یہ اسلام کی ایسی بہترین تعلیم ہے کہ سب مسلمان اس پر عمل کریں، تو اس ایک عمل ہی سے معاشرے سے گداگری کی لعنت کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور وہ معاشی ناہمواری کم ہو سکتی ہے جس نے امیر و غریب کے درمیان نفرت و بغض کی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں۔ کاش! مسلمان اس نسخۂ کیمیا پر عمل کر سکیں۔

(۱۲) حرام کی کمائی سے زکوٰۃ نکالنے اور صدقہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں

بعض لوگ حرام کمائی سے نہیں بچتے، لیکن زکوٰۃ بھی نکالتے ہیں۔ حرام کمائی سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد ہر وہ کمائی ہے جو ناجائز طریقے سے یا ناجائز کاروبار سے حاصل شدہ ہو۔ جیسے رشوت اور سود کا مال، کسی کا ہتھیایا ہوا مال، جھوٹ اور دھوکے سے کمایا ہوا مال۔ ناجائز کاروبار میں ہر وہ کاروبار شامل ہے جس میں حرام اور ممنوع چیزوں کی خرید و فروخت ہو، جیسے شراب، تمباکو، افیون، ہیروئن اور فلموں وغیرہ کے کاروبار۔ ایسے کاروبار کرنے والے جب تک یہ حرام کاروبار نہ چھوڑیں، اسی طرح کمائی کے ناجائز طریقے اختیار کرنے والے یہ طریقے نہ چھوڑیں، اس وقت تک ان کا زکوٰۃ نکالنا اور صدقہ و خیرات کرنا مذاق ہے۔ کیونکہ کمانے کے لیے جو ہدایات اللہ نے دی ہیں، ان کو تو یہ مانتے نہیں، پھر زکوٰۃ نکالنے کا کیا مطلب؟ اسی لیے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ، فَقَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾﴾ (المؤمنون ۲۳/ ۵۱)

وَقَالَ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۷۲) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟» (صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح: ۱۰۱۵)

"اے لوگو! اللہ پاک ہے' پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس چیز کا حکم اس نے اپنے پیغمبروں کو دیا۔ چنانچہ اس نے (پیغمبروں سے) فرمایا: اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو' بلاشبہ میں تمہارے عملوں کو خوب جانتا ہوں۔ اور (مومنوں سے) فرمایا: اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔ پھر (رسول اللہ ﷺ نے) آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے' پراگندہ بال ہے گرد وغبار میں اٹا ہوا ہے' اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا اور (کہتا ہے) اے میرے رب! اے میرے رب! دراں حالیکہ اس کا کھانا حرام کا ہے' اس کا پینا حرام کا ہے' اس کا لباس حرام کا ہے اور اس کی نشوونما حرام غذا سے ہوئی ہے' ایسے شخص کی دعا کیوں کر قبول کی جائے؟"

اس حدیث میں حلال خوراک کو پاک کہا گیا ہے' اس لیے کہ حرام غذا ناپاک ہے۔ جب اللہ پاک ہے تو وہ ناپاک چیز کو کیوں کر قبول کر سکتا ہے؟ اس سے واضح ہے کہ حرام کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا' اللہ کے دین کے ساتھ مذاق ہے۔ انسان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اور اللہ کو راضی کرنے کا شوق ہے تو سب سے پہلے وہ اپنا کاروبار اور ذریعۂ آمدنی صحیح کرے اور پھر اس حلال آمدنی میں سے زکوٰۃ نکالے اور صدقہ و خیرات کرے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھی حلال خوری کی تاکید کی اور اہل ایمان کو بھی یہی حکم دیا' اس کے بعد عمل صالح کا ذکر کیا۔ جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ حلال کمائی اور عمل صالح ان دونوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ رزق حرام کے ساتھ عمل صالح جمع نہیں ہو سکتا۔

(۱۳) صدقہ خفیہ طور پر دینے اور احسان نہ جتلانے کی تاکید

زکوٰۃ و صدقات' جہاں ایک طرف اللہ کی عبادت ہے اور اس اعتبار سے یہ حقوق اللہ میں شامل ہے' تو دوسری طرف اس کا کچھ تعلق بندوں سے بھی ہے۔ یعنی انسان اس حق اللہ یا عبادت کے ذریعے سے اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور اخوت و مواسات کا معاملہ کرتا ہے۔ زکوٰۃ' ایک انسان دوسرے انسان کو دیتا ہے' بالخصوص آج کل اسلامی خلافت نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال کا سلسلہ بھی موقوف ہے جس میں سرکاری طور پر زکوٰۃ و صدقات کے جمع اور خرچ کرنے کا اہتمام ہوتا ہے' اب مدارس دینیہ اور جہادی تنظیموں میں زکوٰۃ دینے کا سلسلہ ایک حد تک موجود ہے' ان کے علاوہ باقی زکوٰۃ کی ادائیگی اب انفرادی مسئلہ ہی ہے۔ علاوہ ازیں بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے معاشرے کے ضرورت مند اور بے سہارا افراد کی کفالت اور خبرگیری کا انتظام' جس حد تک بھی ہے' اس کا انحصار انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کرنے والوں ہی پر ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ انفرادی طور پر مستحقین کو زکوٰۃ دیتے وقت ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے جس سے ان کی عزت اور وقار مجروح ہو۔ اسی لیے شریعت نے دو باتوں کی خصوصی تاکید کی ہے۔

ایک یہ کہ صدقہ خفیہ طور پر کیا جائے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک زکوٰۃ کی رقم کی وضاحت نہ ہو' زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ ایسا سمجھنا غلط ہے۔ کسی مستحق کو دیتے وقت اسے یہ بتلانا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے جو میں تمہیں دے رہا ہوں' البتہ اس کا مستحق زکوٰۃ ہونا ضروری ہے۔ تاہم اداروں اور مدارس میں زکوٰۃ دیتے وقت صراحت کر دی جائے تو بہتر ہے تاکہ وہ زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کریں' دوسری مدات میں انہیں استعمال نہ کریں' بہرحال زکوٰۃ دیتے وقت جہاں تک اخفاء ہو سکے بہتر ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنا (یعنی عرش کا) سایہ نصیب فرمائے گا اور یہ وہ دن ہو گا کہ اس سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہو گا۔

ان سات آدمیوں میں ایک آدمی وہ ہو گا:

«رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة باليمين، ح:١٤٢٣)

''جس نے چھپ کر صدقہ کیا' حتی کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ علم نہ ہو سکا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ کسی غریب کو زکوٰۃ دے کر یا اس کی امداد کر کے ڈھنڈورا نہیں پیٹا' لوگوں کو نہیں بتلایا' اس کا علم اللہ کے سوا صرف اسی شخص کو ہے جس کو اس نے زکوٰۃ دی یا اس کے سامنے تعاون کیا۔ البتہ اس سے صرف وہ صورت مستثنیٰ ہے جہاں بطور ترغیب کے لوگوں کے ساتھ صدقہ کیا جائے تاکہ اسے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی خرچ کرنے پر آمادہ ہوں۔ ایسی بعض صورتوں میں خفیہ صدقہ کرنے کی بجائے علانیہ طور پر صدقہ کرنا بہتر ہے۔ تاہم اس میں نام و نمود اور ریاکاری کا جذبہ شامل نہ ہو۔ اگر نمود و نمائش کے جذبے کی آمیزش ہو گئی تو سارا عمل ہی برباد ہو جائے گا۔

دوسری بات' جس کی شریعت نے تاکید کی ہے' یہ ہے کہ کسی پر صدقہ کر کے' یعنی اسے زکوٰۃ دے کر یا اس سے اللہ کی رضا کے لیے تعاون کر کے' اس پر احسان نہ جتلایا جائے اور نہ ایسا رویہ اختیار کیا جائے جس میں اس کی تحقیر و تذلیل ہو اور وہ تکلیف محسوس کرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ ﴾

(البقرة٢/ ٢٦٤)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات' احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے سے صدقہ ہی ضائع ہو جاتا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ، قَالَ: فَقَرَأَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ -

قَالَ أَبُوْذَرٍّ: خَابُوْا وَخَسِرُوْا، مَنْ هُمْ؟ يَارَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: الْمُسْبِلُ - إِزَارَهُ - وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية... الخ، ح:١٠٦)

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین شخصوں سے کلام کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ یہ الفاظ ارشاد فرمائے تو حدیث کے راوی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یہ لوگ نامراد ہوئے اور خسارے میں رہے' اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا' ایک وہ جو اپنی ازار (شلوار' پاجامہ اور دھوتی وغیرہ) ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔ دوسرا' احسان کر کے احسان جتلانے والا اور تیسرا وہ شخص جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا خریدنے کی لوگوں کو ترغیب دیتا ہے۔"

عام طور پر لوگ مذکورہ دونوں باتوں کی پروا نہیں کرتے' جس کی وجہ سے بہت سفید پوش لوگ' ضرورت مند ہونے کے باوجود۔ اسی طرح ایک غریب رشتے دار اپنے دوسرے مال دار رشتے دار سے مستحق ہونے کے باوجود' زکوٰۃ کی رقم لینا پسند نہیں کرتا' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ یا صدقہ دینے والا بعد میں انہیں احسان جتلا کر یا لوگوں میں ڈھنڈورا پیٹ کر ان کی تذلیل اور ان کی عزت و وقار کو مجروح کرے گا۔

<u>قرآن کریم کے پر حکمت الفاظ</u> : یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اکثر مقامات پر مستحق رشتے داروں کے لیے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں:

﴿ وَءَاتِ ذَا ٱلْقُرْبَىٰ حَقَّهُۥ وَٱلْمِسْكِينَ وَٱبْنَ ٱلسَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ ﴾

(بني اسرائيل١٧/ ٢٦)

"رشتے دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو دو اور فضول خرچی نہ کرو۔"

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَـَٔاتِ ذَا ٱلْقُرْبَىٰ حَقَّهُۥ وَٱلْمِسْكِينَ وَٱبْنَ ٱلسَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ ٱللَّهِ ۖ وَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٣٨﴾ ﴾ (الروم٣٠/ ٣٨)

"پس رشتے دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو دو' یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

قرآن کریم کے یہ الفاظ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ ایک صاحب حیثیت آدمی اپنے کسی غریب رشتے دار کی امداد کر کے یہ نہ سمجھے کہ وہ اس پر احسان کر رہا ہے' بلکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اللہ نے اسے اس حق کی ادائیگی کی توفیق سے نوازا جو اللہ نے اس کے مال میں مستحقین کا رکھا ہے۔ وہ مستحقین کے حق کی ادائیگی کر کے ایک فرض پورا کر رہا ہے' کسی پر احسان نہیں کر رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان اہل ایمان و تقویٰ کی صفات میں جو جنت میں جائیں گے' ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے:

﴿ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ ﴾

(المعارج ۷۰/ ۲۴۔۲۵)

"ان کے مالوں میں ایک مقررہ حق ہے' سائل کا اور محروم کا۔"

سائل کو ہر کوئی کچھ نہ کچھ دیتا ہے۔ لیکن محروم سے مراد کیا ہے؟ اس میں ایک تو وہ شخص داخل ہے جو رزق ہی سے محروم ہے یعنی سخت غریب و نادار ہے۔ دوسرا وہ جو کسی آفت سماوی و ارضی کی زد میں آ کر اپنی پونجی سے محروم ہو گیا۔ تیسرا' جو اپنے کمانے والے سے محروم ہو کر اپنا ذریعۂ آمدنی کھو بیٹھا' اس میں یتیم بچے اور بیوائیں آ جاتی ہیں۔ چوتھا' وہ شخص جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی صفت تعفف کی وجہ سے لوگوں کی عطا اور صدقات سے محروم رہتا ہے۔

وہ اہل ایمان' جن کو اللہ جنت عطا فرمائے گا' ان کی ایک صفت دنیا میں یہ ہو گی کہ وہ اپنے مالوں میں سے مذکورہ افراد کا حق ادا کرتے رہے ہوں گے۔ ان کے برعکس جو بدبختانِ ازلی اور آخرت کا انکار کر کے جہنم کا ایندھن بننے والے ہوں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے:

﴿ أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ﴿١﴾ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ﴿٢﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣﴾ ﴾ (الماعون ۱۰۷/ ۱۔۳)

"کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو جزاء (کے دن) کو جھٹلاتا ہے۔ پس یہی تو وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔"

(۱۴) بغیر ضرورت کے سوال کرنے پر سخت وعید

شریعت نے جہاں ایک طرف صاحب حیثیت لوگوں کو یہ تاکید کی کہ ان کے مالوں میں سائلین اور محرومین کا جو حق ہے' اسے صحیح طریقے سے ادا کریں تاکہ ضرورت مندوں کو در در پھرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ وہاں دوسری طرف کم حیثیت کے حامل لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی محدود اور تھوڑی آمدنی ہی میں گزارا کریں اور اللہ نے انہیں صحت اور کمانے کی قوت دی ہے' تو کما کر کھائیں' لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر زکوٰۃ و صدقات کے مسائل بیان کرتے ہوئے سوال سے بچنے کی بھی تاکید فرمائی' آپ نے فرمایا:

«اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا: الْمُنْفِقَةُ، وَالسُّفْلٰى: السَّائِلَةُ»(صحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى ... الخ، ح:١٠٣٣)

"اونچا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اونچا ہاتھ' خرچ کرنے والا ہاتھ ہے اور نچلا ہاتھ مانگنے والا ہاتھ ہے۔"

بغیر ضرورت کے سوال کرنے پر آپ نے حسب ذیل وعید بیان فرمائی:

«مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ، حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ»(صحيح مسلم، الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، ح:١٠٤٠)

"آدمی لوگوں سے (بلا ضرورت) سوال کرتا رہتا ہے' حتی کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا تک نہیں ہو گا۔"

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا:

«مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا، فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ» (صحيح مسلم، الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، ح:١٠٤١)

"جو لوگوں سے ان کے مالوں کا سوال کرتا ہے (ضرورت کی وجہ سے نہیں' بلکہ) اپنا مال زیادہ کرنے کے لیے' تو وہ (جہنم کے) انگارے کا سوال کرتا ہے' اب وہ چاہے زیادہ کر لے یا کم۔"

لوگوں سے بلاوجہ سوال نہ کرنے کی' نبی ﷺ کے نزدیک اتنی اہمیت تھی کہ آپ لوگوں سے بیعت لیتے وقت جہاں اس بات کا حکم دیتے کہ تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' پانچ وقت کی نمازیں پڑھنا اور اللہ کی اطاعت کرنا' وہاں اس بات کی بھی تاکید فرماتے:

«وَلاَ تَسْئَلُوا النَّاسَ شَيْئًا»(صحيح مسلم، الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، ح:١٠٤٣)

"لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔"

(۱۵) صرف تین قسم کے لوگوں کیلئے سوال کرنا جائز ہے

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَاقَبِيْصَةُ! إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لاَ تَحِلُّ إِلاَّ لأَحَدِ ثَلاَثَةٍ، رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيْبَهَا ثُمَّ يُمْسِكَ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيْبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ - أَوْ قَالَ: سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ - وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتَّى يَقُوْلَ ثَلاَثَةٌ مِّنْ ذَوِي الْحِجَا مِنْ قَوْمِهِ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلاَنًا فَاقَةٌ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ، حَتَّى يُصِيْبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ - أَوْ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ - فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ، يَاقَبِيْصَةُ! سُحْتًا يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا»(صحيح مسلم، الزكاة، باب من تحل له المسألة للناس، ح:١٠٤٤)

"اے قبیصہ! صرف تین اشخاص ہیں جن کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔ ایک وہ شخص' جس نے کوئی ضمانت اٹھالی (یعنی کسی شخص کی بابت وعدہ کر لیا کہ میں اس کا ذمے دار

ہوں' اگر یہ فلاں وقت تک پیسے نہیں دے گا تو میں دے دوں گا' پھر وہ حسب وعدہ نہیں دیتا اور ضامن کو دینے پڑ جاتے ہیں) تو اس ضامن کے لیے (اس ادا کی جانے والی رقم کی حد تک) سوال کرنا جائز ہے۔ حتیٰ کہ اتنی رقم وہ سوال کر کے حاصل کر لے' پھر وہ سوال کرنے سے رک جائے۔ اور دوسرا وہ شخص کہ اسے کوئی آفت پہنچی جس نے اس کا سارا مال تباہ کر دیا (دکان کو آگ لگ گئی یا فصل تباہ ہو گئی جس سے اس کی ساری پونجی برباد ہو گئی اور اس کے علاوہ اس کے پاس اور پونجی یا گزر اوقات کے لیے دیگر سامان بھی نہیں ہے) تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ اس کے پاس اتنی رقم ہو جائے جس سے وہ اپنی گزران حاصل کرنے کے قابل ہو جائے اور تیسرا وہ شخص کہ فقر و فاقہ اسے گھیر لے' علاوہ ازیں اس کی قوم میں سے تین عقل مند آدمی اس کے معاملے کو لے کر کھڑے ہوں اور وہ کہیں کہ فلاں شخص فقر و فاقے کی حالت میں مبتلا ہے' تو اس کے لیے بھی سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ اس کے پاس اتنی رقم ہو جائے جس سے وہ اپنی گزران حاصل کرنے کے قابل ہو جائے۔ ان کے علاوہ اے قبیصہ! دوسرے لوگوں کے سوال کرنے کو میں حرام خیال کرتا ہوں' وہ سوال کر کے جو کچھ حاصل کرے گا' وہ حرام مال کھائے گا۔''

ہر سوال کرنے والے کو سوچ لینا چاہیے کہ وہ ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کی ذیل میں آتا ہے' اگر آتا ہے تو یقیناً اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے' بصورت دیگر اس کے لیے سوال کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

(۱۶) سائلین کو دینے والوں کی ذمے داری

ہمارے معاشرے میں گداگری کے دیگر اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے اصحابِ حیثیت لوگ ہر گداگر کو کچھ نہ کچھ دے کر اسے نوٹ کرتے رہتے ہیں اور پھر اسے زکوٰۃ شمار کر لیتے ہیں۔ یوں ہر گداگر کی چاہے وہ مستحق نہ ہو' حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور گداگری کی لعنت ختم یا کم ہونے کی بجائے بڑھتی جاتی ہے۔ اصحابِ حیثیت لوگوں کا یہ طریقہ بھی گداگری کو بڑھانے والا ہے۔ اس لیے ان کی بھی ذمہ داری ہے کہ جو بھی سائل

ان کے پاس آئے' بلا تحقیق اسے کچھ نہ دیں۔ تحقیق کرنے کے بعد جو مستحق ثابت ہو اس کی بھرپور طریقے سے امداد کی جائے تاکہ وہ ہر وقت مانگتا ہی نہ پھرے بلکہ آبرومندانہ طریقے سے کمانے کے قابل ہو جائے یا اگر وہ معذور و لاچار ہو تو گھر بیٹھے اس کی کفالت کا انتظام کیا جائے۔ دوسری صورت ہے کہ ہر علاقے میں یا مسجد میں بیت المال کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس کے ذریعے ہی سے مستحق افراد کا پتہ لگا کر رقم ان تک گھر پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔ اس لیے کہ بالعموم جیسے کسی مال دار کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے' اسی طرح کسی ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے جو صحیح الاعضاء' تندرست اور قوی و توانا ہو اور کما کر اپنی بنیادی ضروریات پوری کر سکتا ہو۔ بنابریں جب تک مذکورہ صورتیں بروئے کار نہیں آئیں گے' گداگری کا خاتمہ ممکن نہیں ہو گا۔

(۱۷) اجتماعی طور پر زکوٰۃ کی تقسیم کے فوائد اور اس کی ضرورت و اہمیت

زکوٰۃ کی تقسیم میں ایک مسئلہ یہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ کسی مستحق کو کتنی مقدار میں زکوٰۃ دی جائے؟ کیونکہ زکوٰۃ کا مقصد تو ضرورت مندوں کی حاجات کو پورا کرنا یا ان کو ان کے پیروں پر کھڑا کرنا ہے۔ پہلا مقصد تو وقتی طور پر تھوڑی سی امداد کر کے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن کسی مستحق زکوٰۃ کو پیروں پر کھڑا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اس طرح امداد کی جائے کہ وہ کسب معاش کے قابل ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ

«حَتَّى يُصِيْبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ أَوْ سِدَادًا مِّنْ عِيْشٍ»

بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں' یعنی ضرورت مند سائل کو جب اتنی امداد مل جائے کہ وہ گزران حاصل کرنے کے قابل ہو جائے' تو پھر اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے تو پھر اہل ثروت کا یہ رویہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بھی ضرورت مند کی بھرپور طریقے سے امداد نہیں کرتے' بلکہ ہر سائل اور ضرورت مند کو تھوڑی تھوڑی رقم دے کر انہیں مستقل گداگر بنا دیتے ہیں۔ جب کہ

ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر کسی سائل کا کاروبار ختم ہو گیا ہے' جو پہلے وہ کیا کرتا تھا' کسی کی فصل خراب ہو گئی ہے جس سے اس کے سال بھر کا خرچ پورا ہوتا تھا' کوئی دست کار ہے لیکن وہ آلات و اوزار یا چھوٹی موٹی مشینری خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ کوئی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے جس کے علاج کے لیے لاکھوں روپے کی ضرورت ہے' جیسے بائی پاس اپریشن وغیرہ۔ تو ایسے لوگوں کے حالات کی تحقیق کر کے ان کی بھرپور امداد کی جائے' جس کو کاروباری تجربہ ہے' اس کو اس کے کاروبار کی بحالی میں مدد دی جائے' کاشت کار اور کسان کے ساتھ اس کو درپیش حالات کے مطابق' تعاون کیا جائے' دست کار کو آلات و مشینری خرید کر دی جائے اور خطرناک مریض کے علاج معالجے کا انتظام کیا جائے تاکہ ان کی ضرورتیں اس طرح پوری ہو جائیں کہ پھر ان کو مانگنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

اس کے لیے ظاہر بات ہے کہ تفتیش و تحقیق ضروری ہے۔ اگر زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم اجتماعی طور پر ہو' تو تفتیش و تحقیق کا کام چنداں مشکل نہیں۔ کیونکہ اللہ نے زکوٰۃ کا ایک مصرف' زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھی قرار دیا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے سے اور اسے تقسیم کرنے کے لیے جو ادارہ بنے گا اور اس میں جتنے افراد کام کرنے والے ہوں گے ان سب کے اخراجات وصول شدہ زکوٰۃ سے ادا کرنے جائز ہیں۔ جب یہ سہولت موجود ہے تو حکومت بھی کسی اضافی خرچ کے بغیر' زکوٰۃ کی وصولی' اس کا حساب کتاب رکھنے' اس کی تقسیم اور تفتیش و تحقیق وغیرہ امور کے لیے ضروری افراد مقرر کر سکتی ہے اور انہیں زکوٰۃ کی مد سے تنخواہیں وغیرہ دے سکتی ہے۔ حکومت اگر یہ کام نہ کرے (جیسا کہ اس وقت ہے) تو مذہبی جماعتیں اور دینی ادارے یہ کام بآسانی کر سکتے ہیں۔ جیسے بعض خاندان اور برادریوں میں فلاح و بہبود کے اس قسم کے ادارے موجود ہیں اور وہ مذکورہ نہج پر اپنے خاندان اور برادری کی حد تک نہایت مفید کام کر رہے ہیں۔ اگر مذہبی جماعتیں بھی اپنے اپنے مسلک اور حلقے کی حد تک زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کا نظام قائم کر لیں' تو زکوٰۃ کے وہ مقاصد بہتر طریقے سے حاصل ہو سکتے ہیں جن کی وضاحت مذکورہ سطہ

میں کی گئی ہے۔

اس نظام کے تحت جن کو یکمشت رقم دے کر اپنے پیروں پر کھڑا کیا جا سکتا ہے' ان سے اس طرح تعاون کیا جائے کہ جو یتیم ہیں' ان کی تربیت و کفالت کا' بیواؤں کے ماہانہ یا سالانہ تعاون کا' اسی طرح معذور' اپاہج اور مستقل بیماروں کی خبرگیری اور علاج و ضروریات کا اہتمام کیا جائے۔ اس قسم کے انتظام پر جتنا بھی خرچ آئے گا' وہ اسی زکوٰۃ کا حصہ ہو گا' کسی جماعت یا ادارے کو اس پر اپنی طرف سے خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ آخر دینی مدارس کا سارا سلسلہ بھی تو اسی نظامِ زکوٰۃ و صدقات پر قائم ہے۔ اگر اسے مزید وسعت دے دی جائے اور اپنے اپنے اہل مسلک کو آمادہ کیا جائے کہ وہ ساری زکوٰۃ ایک ہی جگہ جمع کریں اور تفتیش و تحقیق کے بعد ضرورت مندوں میں ان کی ضروریات کے مطابق یکمشت یا ماہوار یا سالانہ تقسیم کریں' تو یقیناً گداگری کی لعنت کے خاتمے میں بھی یہ ادارے نہایت مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں اور معاشرے کے سفید پوش ضرورت مندوں کی آبرومندانہ کفالت و تعاون کا اہتمام کرنے میں بھی۔

(۱۸) خاوند اور زیر پرورش یتیموں پر رقم خرچ کرنا جائز ہے

عورت اور اپنے بچوں کی کفالت مرد کی ذمے داری ہے' جیسے والدین کی خدمت اولاد کی ذمے داری ہے۔ اس لیے ایک مرد زکوٰۃ کی رقم اپنے بیوی بچوں پر خرچ کر سکتا ہے نہ اپنے والدین پر' البتہ عورت اگر مال دار ہو اور خاوند غریب' تو وہ اپنی زکوٰۃ اپنے خاوند کو دے سکتی ہے۔ اسی طرح زیر پرورش یتیم بچوں پر زکوٰۃ کی رقم کا خرچ کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی اپنے خاوند عبداللہ پر اور اپنے زیر کفالت یتیم بچوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صدقے کی ترغیب دی' تو انہوں نے اپنے خاوند عبداللہ بن مسعود سے کہا کہ تم جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ میں تم پر اور اپنے زیر پرورش یتیم بچوں پر جو زکوٰۃ کی رقم خرچ کرتی ہوں' وہ ٹھیک ہے' ان پر خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ

تم خود ہی جا کر پوچھو (غالبًا شرم کی وجہ سے انہوں نے خود پوچھنا پسند نہیں کیا) چنانچہ وہ خود گئیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے پچھوایا۔

«أَيُجْزِىءُ عَنِّي أَنْ أُنْفِقَ عَلٰى زَوْجِي وَأَيْتَامٍ لِّي فِي حَجْرِي؟»

"اگر میں اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنے خاوند پر اور اپنے زیر پرورش یتیم بچوں پر خرچ کروں تو کیا وہ میری طرف سے ادا ہو جائے گی؟"

نبی ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اس کو جا کر بتلا دو!

«نَعَمْ! وَلَهَا أَجْرَانِ، أَجْرُ الْقَرَابَةِ، وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب الزكاة على الزوج والأيتام في الحجر، ح:١٤٦٦)

"ہاں! اس طرح صرف زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہو گی' بلکہ اسے دگنا اجر ملے گا' ایک حق قرابت کی ادائیگی کا اور دوسرا صدقے کا۔"

(۱۹) زکوٰۃ وصول کرنے والوں کیلئے نبی ﷺ کی ہدایات

زکوٰۃ کا مقصد غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں کی امداد اور خبرگیری کرنا ہے' علاوہ ازیں اسے بیت المال میں جمع کر کے پھر خرچ کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسے مستحقین تک زیادہ سے زیادہ بہتر طریقے سے پہنچایا جائے۔ اس لیے نبی ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھی تاکید فرمائی کہ یہ ایک قومی امانت ہے' اس میں خیانت بہت بڑا جرم ہے جس کی سزا قیامت کے دن بھگتنی ہو گی۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنكُمْ عَلٰى عَمَلٍ، فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ، كَانَ غُلُوْلاً يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"تم میں سے جسے ہم کسی کام پر عامل (اہلکار) مقرر کریں' تو وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بڑی کوئی چیز چھپائے تو وہ خیانت ہو گی' اسے لے کر ہی وہ قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو گا۔"

یہ سن کر قبیلۂ اسود کا ایک آدمی کہنے لگا' اللہ کے رسول! آپ نے مجھے جس کام پر

مامور کیا ہے‘ وہ مجھ سے واپس لے لیں۔ آپ نے پوچھا کیوں؟ تجھے کیا ہو گیا؟ کہنے لگا‘ میں نے آپ کو اس اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«وَأَنَا أَقُوْلُهُ الْآنَ، مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ فَلْيَجِیءْ بِقَلِيْلِهِ وَكَثِيْرِهِ، فَمَا أُوْتِيَ مِنْهُ أَخَذَ، وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهٰى» (صحيح مسلم، الإمارة، باب تحريم هدايا العمال، ح: ١٨٣٣)

”میں اب بھی کہتا ہوں کہ تم میں سے ہم جسے کسی کام پر عامل مقرر کریں‘ تو وہ تھوڑا یا زیادہ (جتنا بھی مال ہو) لا کر دے۔ پس اس میں سے جو اسے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے روک دیا جائے رک جائے۔“

(۲۰) سرکاری اہل کاروں کو ہدیہ لینے کی بھی اجازت نہیں ہے

حتی کہ نبی ﷺ نے اہل کارانِ حکومت کو ہدیہ لینے سے بھی منع فرما دیا‘ کیونکہ لوگ یہ ہدیہ ان کے سرکاری منصب ہی کی وجہ سے دیتے ہیں جس سے بدعنوانی کا راستہ کھلتا ہے۔ لوگ ہدیہ دے کر سرکاری اہل کار سے کچھ ایسی رعایات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کے وہ مستحق نہیں ہوتے۔ گویا یہ ہدیے رشوت کی ایک صورت ہوتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو عامل بنا کر کہیں بھیجا۔ وہ واپس آیا تو کہنے لگا:

«هٰذَا مَالُكُمْ وَهٰذَا هَدِيَّةٌ»

”یہ تمہارا (بیت المال کا) مال ہے اور یہ وہ مال ہے جو مجھے ہدیہ ملا ہے۔“

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيْكَ وَأُمِّكَ حَتّٰى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ، إِنْ كُنْتَ صَادِقًا؟»

”تو اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا‘ حتی کہ تیرے پاس تیرا ہدیہ آ جاتا اگر تو سچا ہے۔“

یعنی اگر تو اس بات میں سچا ہے کہ تجھے سرکاری وصولیوں کے علاوہ ہدیہ بھی ملا ہے‘ تو تو

اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر دکھا کہ وہاں تجھے کوئی ہدیہ دیتا ہے؟ مطلب آپ کا یہی تھا کہ یہ ہدیہ نہیں ہے' ہدیہ تو وہ ہوتا ہے جو گھر بیٹھے (کسی غیر عامل شخص کو) ملے۔ عاملوں کو ہدیے کے نام پر ملنے والی چیزیں ہدیہ نہیں ہوں گی' بلکہ وہ بیت المال ہی کا حصہ ہوں گی۔ پھر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّيْ أَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْكُمْ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلاَّنِي اللّٰهُ، فَيَأْتِيْنِيْ فَيَقُوْلُ: هٰذَا مَالُكُمْ وَهٰذَا هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِيْ، أَفَلاَ جَلَسَ فِيْ بَيْتِ أَبِيْهِ وَأُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ، إِنْ كَانَ صَادِقًا؟ وَاللّٰهِ! لاَ يَأْخُذُ أَحَدٌ مِّنْكُمْ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ، إِلاَّ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَلأَعْرِفَنَّ أَحَدًا مِّنْكُمْ لَقِيَ اللّٰهَ يَحْمِلُ بَعِيْرًا لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ - ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رُؤِيَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ، يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ! هَلْ بَلَّغْتُ؟» (صحيح مسلم، الإمارة، باب تحريم هدايا العمال، ح: ١٨٣٢)

"امابعد! میں تم میں سے کسی آدمی کو ان کاموں پر عامل مقرر کرتا ہوں' جو اللہ نے میرے سپرد کئے ہیں' پس وہ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے' یہ تمہارا مال ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ پس وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا یہاں تک کہ اس کے پاس اس کا ہدیہ آتا اگر وہ سچا ہے۔ اللہ کی قسم! تم میں سے جو شخص بھی اس میں سے بغیر حق کے کچھ لے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ کو اس حال میں ملے گا کہ اس (ناحق وصول کی ہوئی چیز) کو اٹھائے ہو گا' پس میں تم میں سے اس شخص کو ضرور پہچان لوں گا' جو اللہ کو اس حال میں ملے گا کہ اس نے اونٹ اٹھایا ہوا ہو گا جو ڈکرا رہا ہو گا' یا گائے اٹھائے ہو گا جو چیخ رہی ہو گی یا بکری ہو گی جو ممیاتی ہو گی۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھ بلند کئے یہاں تک کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی۔ آپ فرما رہے تھے' اے اللہ! یقیناً میں نے پہنچا دیا۔"

(۲۱) قبل از وقت بھی زکوٰۃ کا ادا کرنا جائز ہے

زکوٰۃ اگرچہ اپنے وقت پر (یعنی سال گزرنے کے بعد) ہی واجب ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شدید ضرورت ہو تو اصحابِ حیثیت لوگوں سے پیشگی زکوٰۃ بھی لی جا سکتی ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ حد دو سال ہے یعنی دو سال کی زکوٰۃ پیشگی لینی جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ جس واقعے سے پیشگی زکوٰۃ لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے' وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعے پر دو سال کی زکوٰۃ پیشگی وصول فرما لی تھی۔ اس کی طرف اشارہ صحیح بخاری و صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث کی روایات سے ملتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی بابت فرمایا:

«فَهِيَ عَلَيَّ وَمِثْلُهَا مَعَهَا»(صحيح البخاري، الزكاة، باب٤٩، ح:١٤٦٨ وصحيح مسلم، الزكاة، باب في تقديم الزكاة ومنعها، ح:٩٨٣ واللفظ له)

"ان کی زکوٰۃ میرے ذمے ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ اور بھی۔"

اس کا مطلب یہی بیان کیا گیا ہے کہ ان سے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی وصول کر لی گئی ہے' دو سال کی زکوٰۃ ان سے طلب نہ کی جائے۔ (مزید دیکھئے: ترمذی' الزکوٰۃ' باب ماجاء فی تعجیل الزکوٰۃ' حدیث :٦٧٩' السنن الکبریٰ للبیھقی' ۴/۱۸۷' حدیث :۷۳٦۷' طبع جدید)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دو سال کی پیشگی زکوٰۃ لینے کی متعدد روایات آتی ہیں' جنہیں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے' لیکن ان میں سے ہر ایک میں کوئی ضعف ہے۔ تاہم اس کے مجموعی طرق سے اس واقعے کی اصلیت کا اثبات ہوتا ہے۔ (فتح الباری' ۴۲۰/۳)

(۲۲) جمع شدہ زکوٰۃ کے خرچ کرنے میں تاخیر کا جواز

فلاح و بہبود کی سوسائٹیوں' اداروں اور بیت المال وغیرہ میں' جہاں زکوٰۃ جمع کر کے پھر مستحقین میں خرچ کی جاتی ہے' ایک سال سے زائد عرصے تک اگر رقم محفوظ رہے' تو اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں؟ اس کی بابت بعض لوگوں نے سوال کیا ہے۔

اس کی بابت عرض ہے کہ اس میں کوئی شرعی قباحت نظر نہیں آتی' بلکہ زکوٰۃ کی رقم کو زیادہ بہتر طریقے سے خرچ کرنے کے نقطۂ نظر سے محفوظ رکھنا' تو زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ ادا کرنے والوں نے تو اپنے وقت میں زکوٰۃ ادا کر دی اور زکوٰۃ کی رقم کسی ادارے یا سوسائٹی کے سپرد کر دی ہے۔ اب یہ تقسیم کرنے والوں کی ذمے داری ہے کہ وہ اسے مناسب طریقے سے ضرورت مندوں پر خرچ کریں۔ اگر اس ادارے کے نزدیک تاخیر کے لیے معقول عذر ہے تو اس تاخیر کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح اس تاخیر کا کوئی اثر زکوٰۃ دینے والے پر بھی نہیں پڑے گا' کیونکہ وہ تو بروقت زکوٰۃ ادا کر کے بریٔ الذمہ ہو چکا ہے۔ اب تقسیم کنندگان ہی اس کے ذمے دار ہیں' اگر تاخیر کی وجہ' ان کی کوتاہی اور سستی ہے تو وہ مجرم ہوں گے اور اگر اس کی وجہ زکوٰۃ کی رقم کا بہتر مصرف تلاش کرنا ہے تو یہ پسندیدہ ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص کسی مستحق کو زکوٰۃ کی رقم دیتا ہے' تو زکوٰۃ وصول کرنے والا اس بات کا پابند نہیں ہے کہ وہ اسے سال کے اندر اندر ضرور خرچ کرے' وہ اپنی ضرورت اور مصالح کے تحت جب چاہے اسے خرچ کرے۔ زکوٰۃ دینے والے کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اداروں کے پاس بعض دفعہ کئی کئی سال رقم محفوظ رہتی ہے' جیسے بیت المال میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس سے زکوٰۃ دینے والوں پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور نہ اس سے ان کی کوئی غرض ہی ہے۔

(۲۳) زکوٰۃ عبادت ہے' ٹیکس نہیں

زکوٰۃ عبادت ہے' یعنی اس کی ادائیگی سے اللہ تعالیٰ خوش اور اس کا تقرب حاصل ہوتا ہے' جیسے نماز' روزے اور حج سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے' کیونکہ یہ سب عبادات ہیں اور عبادات کا مقصد اللہ سے رابطہ و تعلق استوار کرنا اور اسے راضی کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے عبادات توقیفی ہوتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتی ہیں یا اللہ کے رسول کی طرف سے بیان کردہ ہوتی ہیں۔ ان میں کسی کو اپنی طرف سے کمی بیشی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس اعتبار سے زکوٰۃ بھی ایک عبادت ہے جو اللہ کے حکم سے مقرر ہوئی ہے۔ البتہ اس کا نصاب و شرح اور دیگر تفصیلات نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس لیے اس کا

نصاب بھی ہمیشہ وہی رہے گا جو احادیث میں بیان ہوا ہے اور اس کی ادائیگی کی شرح بھی وہی رہے گی جو نبی ﷺ نے مقرر فرمائی ہے۔ حالات و ظروف کے حوالے سے یا زمان و مکان کے تغیر کی بنیاد پر نصاب میں تبدیلی کی گنجائش ہے نہ شرحِ زکوٰۃ میں رد و بدل کا جواز۔

ٹیکس' زکوٰۃ سے مختلف اور اس کے علاوہ ہے۔ زکوٰۃ ایک الگ چیز ہے' وہ اللہ کا حکم اور اس کی عبادت ہے اور اس کے مصارف بھی متعین ہیں۔ جب کہ ٹیکس آج کل کی حکومتوں کی ایجاد ہے اور وہ اپنے حالات کے مطابق اس میں کمی بیشی کرتی رہتی ہیں۔ حکومت زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس لگا سکتی ہے یا نہیں؟ بعض علماء حکومت کو ٹیکس لگانے کا حق نہیں دیتے۔ تاہم اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور یہی موقف صحیح ہے۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آج کل حکومتوں کے اخراجات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ٹیکس کے بغیر وہ پورے نہیں ہو سکتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ متعین مصارف ہی پر خرچ ہو سکتی ہے' اس کا دیگر مدّات پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ لینے کی مجاز وہی حکومت ہے جو اسلامی ہو۔ یعنی وہ اپنی حدود میں اسلام کو نافذ کرنے والی ہو' وہاں اسلامی حدود و تعزیرات نافذ ہوں' اس کا نظامِ تعلیم اسلامی ہو' نظام صلوٰۃ نافذ ہو' اس کے تحت امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام ہو اور اس کا نظام معاشیات سود سے پاک ہو' وغیرہ۔

جن مسلمان حکومتوں میں مذکورہ باتوں کا اہتمام ہو' وہاں یقیناً سرکاری سطح پر زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا اہتمام ہونا چاہیے اور یہ ایسی اہم مد ہے کہ ایک اسلامی حکومت اس کے متعین مصارف کی حدود میں رہ کر بھی عوام کی فلاح و بہبود اور اسلام کی سربلندی کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہے۔

(۲۴) زکوٰۃ کی وصولی کا نہایت ناقص اور بھونڈا نظام

لیکن جو حکومتیں مذکورہ باتوں کا سرے سے اہتمام ہی نہیں کرتیں' انہیں زکوٰۃ کی وصولی کا بھی کوئی حق نہیں۔ جیسے پاکستان میں جنرل محمد ضیاء الحق کے دَور میں یہاں سرکاری طور پر بنکوں کے ذریعے سے زکوٰۃ کی کٹوتی کا نظام شروع

ہوا' تو اس کے لیے نہایت ناقص اور بھونڈا طریقہ اختیار کیا گیا۔ مثلاً:

اوّل : یہ کہ اس میں ایک فرقے کو مستثنٰی کر دیا گیا' یعنی جو لکھ کر دے دے کہ میں شیعہ ہوں اس کو زکوٰۃ کی کٹوتی سے استثناء حاصل ہو جاتا۔ اس استثناء سے ارتداد کا راستہ کھول دیا گیا' بہت سے زمینداروں اور مال داروں نے محض زکوٰۃ و عشر سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کر کے خود کو ایمان سے محروم کر لیا۔

دوم : یہ کہ سودی نظام تو ختم نہیں کیا اور اس میں زکوٰۃ کی پیوند کاری کر دی۔ اس کا نتیجہ اس مذاق کی صورت میں نکلا کہ ایک طرف بنک ۸ '۹ فی صد سود دیتے رہے اور دے رہے ہیں اور اس سود میں سے ڈھائی فی صد زکوٰۃ کاٹ لیتے ہیں۔ اس طرح اسلام کے نظام زکوٰۃ کو ایک تو باطل کے فروغ کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ دوسرا' سود میں سے زکوٰۃ کاٹ کر اس کو مذاق اور استہزاء بنا دیا گیا۔ بھلا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے؟ نہیں' یقیناً نہیں۔ اس لیے بنکوں کا زکوٰۃ وصول کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ پہلے لوگوں کو سود دینا بند کریں اور پھر زکوٰۃ کاٹیں۔ اس طرح یقیناً زکوٰۃ کی ادائیگی ہوگی۔

(۲۵) ٹیکس لگانے کیلئے دو شرطیں ضروری ہیں

بہرحال بات ہو رہی تھی کہ جو حکومت اسلامی نہ ہو' وہ زکوٰۃ لینے کی اہل نہیں۔ البتہ اپنے ضروری اخراجات پورے کرنے کے لیے وہ ٹیکس لگا سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔

(ا) ٹیکس کی شرح معمولی ہو۔ ٹیکسوں کی بھرمار یا ظالمانہ حد تک اس کی شرح' ملک و قوم کی تباہی کا باعث ہے۔ جیسے بدقسمتی سے اس وقت ہمارا ملک اس کا ایک نمونہ ہے۔ یہاں ٹیکسوں کے ظالمانہ نظام نے ایک تو صنعت و حرفت کو اپنے شکنجے میں کس رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ پھیلنے کی بجائے سکڑ رہی ہے۔ دوسرے' تاجر طبقہ ہیرا پھیری کرنے پر مجبور ہے۔ اس نے پوری قوم کو ٹیکس چور بنا دیا ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ عمال حکومت (صدر' وزیر اعظم سے لے کر تمام اہلکارانِ حکومت) کا معیارِ زندگی' عام لوگوں کے معیار سے بڑھ کر نہ ہو۔ بلکہ وہ عوام سے بھی زیادہ

سادہ زندگی اختیار کرنے والے ہوں، تاکہ قومی محاصل قوم کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوں، وہ حکمرانوں کے اَلَلّوں تَلَلّوں ہی پر خرچ نہ ہو جائیں۔ اس اعتبار سے بھی ہمارے حکمران ٹیکس وصول کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ ان کا معیار اتنا بلند ہے کہ ترقی یافتہ قوموں کے حکمران بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تاریخی کردار: اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ بھی ہماری بڑی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ واقعہ ہے صحیح مسلم کے شارح امام محی الدین نووی کا، جنھوں نے مصر کے نامور ترک فرمانروا شاہ ظاہر بیبرس کو باشندگان شام پر مظالم کے سلسلہ میں نہ صرف بڑے جرأت مندانہ خطوط لکھے بلکہ اس سے مل کر بالمشافہ گفتگو بھی کی۔ ذیل میں سلطان سے ان کی ملاقات کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

بادشاہ ظاہر تاتاریوں سے جنگ کرنے کے لیے مصر سے نکلا اور شام میں پہنچا، اس نے وہاں کے علماء سے یہ فتویٰ حاصل کیا کہ اس جنگ کی تیاری کے لیے رعیت کے اموال پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ جب علماء کا یہ فتویٰ بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے دریافت کیا کہ علماء میں سے کوئی باقی تو نہیں رہا۔ لوگوں نے کہا کہ صرف شیخ محی الدین نووی نے دستخط نہیں کئے ہیں۔ چنانچہ شاہ نے امام نووی کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ آئے تو ان سے کہا: ”دوسرے علماء کی طرح آپ بھی دستخط ثبت فرما دیں۔“ شیخ نے انکار کیا۔ ظاہر نے پوچھا، آپ دستخط سے انکار کیوں کر رہے ہیں۔“ امام نووی نے غایت جرأت و بے باکی کے ساتھ فرمایا:

”میں جانتا ہوں کہ تم امیر بند قدار کے غلام تھے اور تمہارے پاس کچھ نہ تھا پھر اللہ نے تم پر احسان کیا اور تمہیں بادشاہت عطا کی۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے پاس ایک ہزار غلام ہیں اور ہر غلام کے پاس سونے کا کمربند (Belt) ہے۔ دو سو باندیاں ہیں اور ہر باندی کے پاس زیورات کا ایک بکس ہے جب تم یہ تمام دولت صرف کر لو گے اور تمہارے غلاموں اور باندیوں کے پاس سوت کے کمربند اور معمولی لباس کے سوا کچھ نہ بچے گا تب میں تمہیں فتویٰ دوں گا کہ رعیت کے مال پر ہاتھ ڈالو۔“

یہ سن کر بادشاہ ظاہر غصہ سے بے قابو ہو گیا اور حکم دیا کہ تم میرے شہر دمشق سے فوراً نکل جاؤ۔ امام نووی نے فرمایا: بہتر ہے۔ یہ کہہ کر وہ شام کے ایک گاؤں ''نوی'' میں جا کر مقیم ہو گئے شیخ کے جانے کے بعد دوسرے فقہاء نے بادشاہ سے عرض کیا کہ شیخ محی الدین ہمارے کبار علماء و صلحاء میں شمار ہوتے ہیں اور عوام پر ان کا بہت زیادہ اثر ہے۔ ان کا دمشق سے اس طرح نکل جانا مناسب نہیں ہے یہ سن کر بادشاہ نے امام نووی کی واپسی کا حکم صادر کیا لیکن جب بادشاہ کا فرمان شیخ موصوف کو ملا تو انہوں نے واپسی سے انکار کر دیا اور فرمایا: جب تک ظاہر دمشق میں موجود ہے میں وہاں نہیں جا سکتا۔ اس واقعہ کے ٹھیک ایک ماہ بعد ظاہر کا انتقال ہو گیا۔ (''تعمیر حیات'' لکھنؤ (بھارت) ۱۰ جون ۲۰۰۱ء مضمون علمائے سلف کی جرأت حق گوئی و بے باکی)

(۲۶) ٹیکسوں کی ظالمانہ شرح کی ایک مثال

ہمارے ملک کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ مذکورہ دونوں شرطوں کے بغیر ہمارے ملک میں ٹیکس روز افزوں ہیں۔ یہ صورت حال ملک اور قوم دونوں کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ ٹیکسوں کی شرح کس حد تک ظالمانہ ہے۔ اس کا اندازہ ایک کالم نگار کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے جس کی وضاحت اس نے اپنے ایک کالم میں کی ہے' کالم نگار لکھتا ہے:

''ٹیکسوں کی وصولی کیلئے عوام کو اعتماد میں لیا جائے اور انہیں باور کرایا جائے کہ ان سے وصول ہونے والا ٹیکس ان کی ہی فلاح و بہبود پر خرچ ہو گا اگر حکومت عوام کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو جائے تو وہ یقیناً اپنے حصے سے بڑھ کر ٹیکس ادا کرنے کو تیار ہوں گے انکم ٹیکس کی موجودہ شرح بہت زیادہ ہے قارئین کو شاید حیرانی ہو کہ بینکنگ کمپنیوں کو اپنے منافع کا ۶۰ فیصد ٹیکس کی صورت میں ادا کرنا پڑتا ہے جبکہ باقی کمپنیوں کے لیے یہ شرح ۴۳ فیصد ہے اس طرح عام افراد کیلئے ٹیکس کی شرح ۳۵ فیصد تک ہے یہ شرح کم کی جائے اور اس کو عقلی تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر پانچ لاکھ روپے سالانہ کمانے والی کمپنی کو یہ پتہ ہو کہ اس میں سے نصف انکم ٹیکس کی مد میں چلا جائے گا تو

وہ اپنی آمدن پانچ کی بجائے دو لاکھ ہی دکھائے گا اسی طرح عام کاروباری لوگ بھی زیادہ شرح ٹیکس کی وجہ سے اپنی آمدن صحیح نہیں دکھاتے جس سے خرابی کے راستے کھلتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قابل ٹیکس آمدن کی کم از کم حد میں اضافہ کیا جائے موجودہ قانون کے مطابق ہر کاروباری آدمی جس کی آمدن چالیس ہزار روپے سالانہ ہے اور ہر تنخواہ دار آدمی جس کی آمدن پچاس ہزار روپے سالانہ ہے انکم ٹیکس ادا کرنے کا پابند ہے موجودہ شرح گرانی میں چالیس ہزار سالانہ یا ساڑھے تین ہزار روپیہ ماہانہ آمدنی ہرگز اس قابل نہیں کہ اس پر مزید ٹیکس بھی لگایا جائے حقیقت یہ ہے کہ کوئی عام سا شہری گھرانہ دس ہزار روپے ماہانہ سے کم میں گزر بسر نہیں کر سکتا ایسے میں اس سے انکم ٹیکس کی ادائیگی کی توقع کسی طرح بھی ایک معقول رویہ نہیں ہے۔ ہماری رائے میں کم از کم حد ایک لاکھ روپے سالانہ اور تنخواہ دار کیلئے سوا لاکھ روپے سالانہ ہونی چاہیے اس طرح قابل ٹیکس آمدن کے پہلے ایک لاکھ پر ٹیکس کی شرح پانچ فیصد سے زائد نہ ہو تاکہ عوام خوشدلی سے ٹیکس کی ادائیگی کی طرف مائل ہو سکیں۔" (روزنامہ "جنگ" لاہور' ۳ جون ۲۰۰۱ء- کالم "درون پردہ" رحمت علی رازی)

(۲۷) ٹیکسوں کی کثرت' ملک و قوم کیلئے نیک فال نہیں

ٹیکسوں کی کثرت اور اس کی تباہ کاری کا مسئلہ زیر بحث آ ہی گیا ہے' تو اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ کا موقف بھی پڑھ لیا جائے' جس میں عبرت بھی ہے اور تنبیہ بھی۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دو باتوں کو اپنے زمانے کی مغل حکومت کے روبہ زوال اور تباہی و بربادی کا بڑا سبب قرار دیا ہے۔

ایک' خزانۂ حکومت میں اس قسم کا تصرف کہ چند لوگ مختلف ہتھکنڈوں سے بغیر ملک کی خاص خدمت کے رقمیں اڑاتے اور بلامحنت منافع کماتے ہیں جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی ذرائع آمدنی پر زد پڑتی ہے اور ملک بہت سا زیربار ہو جاتا ہے۔

ملک کی تباہی کا دوسرا سبب کاشت کاروں' تاجروں اور اہل حرفت پر بھاری ٹیکس لگانا اور اس بارے میں ان پر سختی کرنا ہے۔ یہاں تک کہ جو بے چارے حکومت کی اطاعت

کرتے اور اس کے احکام مانتے ہیں وہ تباہ ہو جاتے ہیں اور جو سرکش اور نادہندہ صاحب اثر و رسوخ ہیں اس سے بچاؤ کی صورتیں پیدا کر لیتے ہیں اور زیادہ سرکش ہو کر گورنمنٹ کے ٹیکس ادا نہیں کرتے حالانکہ ملک کی تعمیر کم ٹیکس اور بقدرِ ضرورت محافظین کے قیام ہی سے ممکن ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں: اہل زمانہ کو یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے۔

شاہ صاحب کی اصل عربی عبارت یہ ہے:

غَالِبُ سَبَبِ خَرَابِ الْبُلْدَانِ فِي هٰذَا الزَّمَانِ شَيْئَانِ أَحَدُهُمَا تَضْيِيْقُهُمْ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ بِأَنْ يَّعْتَادُوا التَّكَسُّبَ بِالأَخْذِ مِنْهُ. . . وَيَكُوْنُ الْعُمْدَةُ عِنْدَهُمْ هُوَ التَّكَسُّبُ دُوْنَ الْقِيَامِ بِالْمَصْلَحَةِ فَيَدْخُلُ قَوْمٌ عَلٰى قَوْمٍ فَيُنْغِضُوْنَ عَلَيْهِمْ وَيَصِيْرُوْنَ كَلًّا عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَالثَّانِيْ ضَرْبُ الضَّرَائِبِ الثَّقِيْلَةِ عَلَى الزُّرَّاعِ وَالتُّجَّارِ وَالْمُتَحَرِّفَةِ وَالتَّشْدِيْدُ عَلَيْهِمْ حَتَّى يُفْضِيَ إِلٰى إِجْحَافِ الْمُطَاوِعِيْنَ وَاسْتِيْصَالِهِمْ وَإِلٰى تَمَنُّعِ أُوْلِي بَأْسٍ شَدِيْدٍ وَّبَغْيِهِمْ وَإِنَّمَا تَصْلُحُ الْمَدِيْنَةُ بِالْجِبَايَةِ الْيَسِيْرَةِ وَإِقَامَةِ الْحَفَظَةِ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَةِ فَلْيَتَنَبَّهْ أَهْلُ الزَّمَانِ لِهٰذِهِ النُّكْتَةِ(حجة الله البالغة: ١/ ٤٥، باب سياسة المدينة)

ایک اور مقام پر انہوں نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ ٹیکسوں میں بے پناہ اضافے کی ضرورت اس وقت لاحق ہوتی ہے جب کہ امراء و حکامِ سلطنت اپنا معیارِ زندگی انتہائی بلند اور پر تکلف کر لیتے ہیں جس کو برقرار رکھنے کے لیے انہیں بھاری اور ناجائز ٹیکس لگانے پڑتے ہیں اس کے نتیجے میں لوگوں کے اندر آخرت فراموشی اور دنیاداری کا رجحان پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ قبل از اسلام کی مسیحی اور ایرانی حکومتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"صدیوں سے آزادانہ حکومت کرنے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے' آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامان میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی اور اس

میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے جو اس سامانِ آرائش و راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی تراش خراش نکالتے تھے ان پر فوراً عمل ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا۔ زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا معیوب تھا۔ اگر کسی کے پاس عالی شان محل، حمام، باغات، خوش خوراک اور تیار جانور اور خوش روجوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشاک میں تجمل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی۔

یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جز بن گئے تھے اور ان کے دلوں میں اس کی وجہ سے ایک ایسا لاعلاج مرض پیدا ہو گیا تھا جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے پورے نظامِ تمدن میں سرایت کر گیا تھا یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی جس سے عام و خاص اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا ہر شہری پر یہ پر تکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو گئی تھی جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا۔

بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور یہ رقمیں اور بے پایاں دولت، کاشتکاروں، تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں۔ اگر وہ غریب ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان کو سزائیں دی جاتیں اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور بیلوں کی طرح بنا لیتے، جن سے آب پاشی اور کشت کاری میں کام لیا جاتا اور صرف خدمت کرنے کے لیے پالا جاتا اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہ ملتی اور پر مشقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی وقت سر اٹھانے اور سعادتِ اخروی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور مہلت نہیں ملتی تھی۔ بسا اوقات پورے ملک میں ایک فرد بشر

بھی ایسا نہ ملتا تھا جس کو اپنے دین کی فکر و اہمیت ہوتی۔" (حجۃ اللہ البالغہ، ج:1، ص:۱۰۵-۱۰۶، اُردو ترجمہ مولانا علی میاں کی کتاب: "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" سے ماخوذ ہے۔)

ہم پاکستانیوں کو شاہ صاحب کے پیش کردہ اس آئینے میں اپنے حکومتی اور سیاسی طرزِ زندگی اور راہ عمل کا چہرہ دیکھنا چاہیے کہ کیا شاہ صاحب کی تصویر کشی سے ذرا بھی مختلف ہے؟ کیا مسلمان ہو کر بھی ہم ان قوموں جیسے ہی حشر سے دوچار ہوں گے جو خدا فراموش تھیں اور جن کو ان کی پاداش عمل میں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا گیا؟ فھل من مدکر

(۲۸) یتیم، مجنون اور بچے کے مال سے بھی زکوٰۃ نکالی جائے

اس مسئلے میں فقہاء اور علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ مجنون اور یتیم کے مال میں سے زکوٰۃ نکالی جائے یا نہیں؟

(۱) بعض فقہاء کے نزدیک مجنون اور یتیم کے مال سے قطعاً کوئی زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

(۲) اور بعض کے نزدیک ان کے ایسے مال سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی جو قابلِ نمّو ہے، جیسے کھیت، جانور یا مضاربت پر لگائی ہوئی رقم اور جو مال نمو (بڑھوتری) کے قابل نہیں ہے، جیسے سونا چاندی اور نقد رقم تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یتیم اور مجنون اگر صاحب جائیداد و اموال ہیں تو ان کے ہر قسم کے مال میں زکوٰۃ ہے، جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اور یہی مذہب دلائل کی رو سے صحیح اور قوی ہے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم عام ہے، جس سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔ اگر مجنون اور یتیم کو استثناء حاصل ہوتا تو حکم زکوٰۃ سے ان کو ضرور مستثنیٰ کر دیا جاتا لیکن شرعی نصوص میں یہ استثناء نہیں پایا جاتا۔

علاوہ ازیں احادیث میں نبی ﷺ نے وضاحت بھی فرما دی ہے کہ یتیم کے مال کو بغیر تجارت کے نہ چھوڑا جائے کہ زکوٰۃ ہی اس کو ختم کر دے، فرمایا:

«أَلاَ مَنْ وَّلِيَ يَتِيْمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّـجِرْ فِيْهِ وَلاَ يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ» (جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في زكوة مال اليتيم، ح: ٦٤١)

"آگاہ رہو! جو شخص کسی صاحبِ مال یتیم کا والی اور سرپرست بنے' اسے چاہیے کہ اس کے مال کو تجارت میں لگادے اور اس کو یوں ہی نہ چھوڑے رکھے کہ زکوٰۃ اس کو کھا جائے۔"

یہ روایت اگرچہ سنداً کچھ کمزور ہے لیکن دوسری روایات سے اس کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے' چنانچہ حافظ ابن حجر' بلوغ المرام' کتاب الزکوٰۃ' ح: ۵۹۵ میں یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

"وإسناده ضعيف وله شاهد مرسل عند الشافعي"

نیز "تلخيص الحبير ۱/۱۵۷' ح: ۸۲۴" میں بھی اس کی تائید میں دوسری روایات نقل کی گئی ہیں۔ (دیکھئے کتاب الزکوٰۃ)

ان احادیث کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر' حضرت علی' عبداللہ بن عمر' حضرت عائشہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ بھی یتیم کے مال میں سے زکوٰۃ نکالنے کے قائل ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ کسی بھی صحابی سے صحیح سند کے ساتھ' بچے کے مال میں سے عدمِ زکوٰۃ کا قول ثابت نہیں:

«لَمْ يَثْبُتْ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ عَدَمُ الْقَوْلِ بِوُجُوْبِ الزَّكَاةِ فِي مَالِ الصَّبِيِّ»(تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي: ۲/ ۱۵)

گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسلک بھی یہی ہے کہ یتیم کے مال میں سے زکوٰۃ نکالی جائے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ احناف' جو یتیم کے مال میں زکوٰۃ کے قائل نہیں' وہ کہتے ہیں کہ یتیم کے مال میں سے صدقۃ الفطر کی ادائیگی ضروری ہے۔ اسی طرح زرعی پیداوار میں سے عُشر ادا کرنا ضروری ہے۔ حالانکہ اس تفریق کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے کہ یتیم کی زرعی پیداوار میں سے عُشر نکالا جائے لیکن اس کے دوسرے مال کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔

بہرحال مال کا یہ حق کہ اس میں سے زکوٰۃ نکالی جائے' ہر قسم کے مال پر اس کا اطلاق ہو گا' چاہے وہ یتیم کا مال ہو' بشرطیکہ وہ مقدار نصاب کا حامل ہو اور "حولانِ حول" ہو چکا ہو۔ مجنون بھی یتیم کے حکم میں ہے اور اس کے والی اور سرپرست کی ذمہ داری ہے کہ اگر وہ صاحب اموال و جائیداد ہے تو اس کے مال کو کاروبار میں لگائے اور پابندی سے اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اسی طرح کوئی بچہ ہے جو یتیم نہیں ہے' اس کو بطورِ ہبہ یا بطورِ وصیت کہیں سے مال ملے' تو مذکورہ شرائط کے مطابق اس میں سے بھی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

(۲۹) ادائیگی زکوٰۃ کیلئے ملکیت تامہ ضروری ہے

زکوٰۃ اس مال میں سے نکالی جائے جس میں انسان کو ملکیت تامہ حاصل ہو۔ ملکیت تامہ کا مطلب ہے کہ وہ مال اس کے دست تصرف میں ہو۔ اس کو جس طرح چاہے خرچ کرے' اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہ ہو' اور اس مال کے تجارتی فوائد میں وہ بلاشرکت غیرے مالک ہو۔

(۳۰) بیت المال کی رقم میں زکوٰۃ نہیں

یہی وجہ ہے کہ بیت المال کی رقم میں زکوٰۃ نہیں' چاہے وہ تعداد میں کتنی ہی ہو اور چاہے وہ سالوں پڑی رہے۔ کیوں کہ وہ قوم کا مشترکہ مال ہے' کسی ایک شخص کی ملکیت میں نہیں ہے۔

(۳۱) شرعی وقف پر بھی زکوٰۃ نہیں

اسی طرح ایسی جائیداد کی آمدنی پر بھی زکوٰۃ نہیں جو کسی دینی اور رفاہی مقصد کے لیے وقف ہو' کیونکہ اس میں بھی ملکیت تامہ کسی کو حاصل نہیں۔ البتہ ایسے اوقاف کی آمدنی پر زکوٰۃ عائد ہو گی جو خاص قسم کے ہوں' جیسے وقف علی الاولاد وغیرہ کیونکہ یہ وقف عام نہیں ہیں' ان میں ملکیت خاص پائی جاتی ہے۔

(۳۲) ناجائز طریقے سے حاصل کردہ مال پر زکوٰۃ نکالنا' اللہ سے مذاق ہے

اسی طرح ایسے مال میں زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی جسے حرام اور ناجائز طریقے سے حاصل کیا

گیا ہو' جیسے غصب اور چوری کا مال' جھوٹ اور فریب سے حاصل کیا ہوا مال' اور رشوت اور سود کے ذریعے سے حاصل کردہ مال۔ کیوں کہ ایسا مال دراصل انسان کا اپنا نہیں ہے' بلکہ یہ حقیقت میں انہی لوگوں کا مال ہے جن سے اس نے (ناجائز ذرائع سے) حاصل کیا ہے اور اس کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ جن جن لوگوں سے اس نے یہ مال ہتھیایا ہے' ان کو واپس کرے۔ یہ اس کا اپنا مال نہیں' غیروں کا مال ہے۔ اس میں سے کچھ حصہ بطور زکوٰۃ نکال دے اور کچھ اپنے پاس رکھے' اس کی گنجائش نہیں' کیونکہ یہ کل کا کل قابل واپسی ہے۔ اگر اصل مالک نہیں ملتے تو ان کے ورثاء کو دے دیا جائے' ان کا بھی پتہ نہیں چلتا تو سب صدقہ کر دیا جائے یعنی یہ سب کا سب مال قابل واپسی یا قابل صدقہ ہے' اس میں سے تھوڑا حصہ بطور زکوٰۃ نکال دینا کیونکر جائز ہو گا؟

اللہ تعالیٰ کے فرمان اور نبی ﷺ کے فرامین سے بھی اس پہلو کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَـٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۶۷)

"اے اہل ایمان! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو۔"

جبکہ پاکیزہ (طیب) کمائی سے مراد حلال ذرائع سے حاصل شدہ کمائی ہے۔ نبی ﷺ نے اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا»(صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب، ح: ۱۰۱۵)

"اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے۔"

دوسری حدیث میں فرمایا:

«لاَ يَقْبَلُ اللهُ صَلاَةً بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلاَ صَدَقَةً مِنْ غُلُوْلٍ»(ذكره البخاري في الترجمة من صحيحه، الزكاة، باب:۷ ومسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح: ۲۲٤)

"اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کرتا اور نہ ہی غلول مال میں سے صدقہ

قبول فرماتا ہے۔"

--- اور غلول کا مطلب ہے چوری اور خیانت کے ذریعے سے حاصل کردہ مال۔ ایسے مال سے زکٰوۃ و صدقات کی عدم قبولیت کی وجہ بالکل واضح ہے کہ یہ مال سرے سے اس کا اپنا مال ہی نہیں ہے کہ جس میں اس کو تصرف کا حق حاصل ہو۔ جبکہ صدقہ و خیرات تصرف ہی کی ایک قسم ہے۔ علاوہ ازیں اگر ایسے مال سے بھی صدقہ و خیرات قبول کر لیے جائیں تو پھر تو چوری' خیانت اور ناجائز ذرائع آمدنی کے ذریعے سے کسب دولت کی ممانعت' بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور حلال و حرام دونوں کو یکساں مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ شریعت میں دونوں کا مقام ایک نہیں ہے' بلکہ ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہے۔

حرام کھانے والے کی تو عبادت بھی قبول نہیں' حتیٰ کہ اس کی دعا تک بھی مردود ہے۔

(۳۳) قرض دی ہوئی رقم کی زکٰوۃ کا مسئلہ

قرض پر دی ہوئی رقم کی زکٰوۃ کی ادائیگی کی صورت کیا ہو گی؟ آیا:

(۱) مالک (قرض دہندہ) زکٰوۃ ادا کرے کہ مالک حقیقی وہی ہے۔

(۲) مقروض ادا کرے کہ فی الحال اس کے قبضہ میں ہے اور اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

(۳) یا زکٰوۃ سے دونوں مستثنیٰ ہوں گے۔

(۴) یا دونوں ہی اپنی اپنی جگہ زکٰوۃ ادا کریں؟

آخری صورت کا کوئی بھی قائل نہیں' البتہ تیسری صورت کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم قائل ہیں کہ قرض پر دی ہوئی رقم پر کوئی زکٰوۃ نہیں' نہ مالک کے ذمے' نہ مقروض کے ذمے۔ اصحابِ ظواہر کا مسلک بھی یہی ہے۔ (ملاحظہ ہو المحلّٰی' ج:۶' ص:۹۹-۱۰۱ مسئلہ: ۶۹۴) اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ دونوں کی ملکیت ناقص ہے' ملکیت تام کسی کو حاصل نہیں۔ مقروض تو اس لیے اس کا مالک نہیں کہ اس کا قبضہ و تصرف مالکانہ نہیں' عارضی اور بطورِ انتفاع ہے۔ اصل مالک تو قرض دہندہ ہی ہے' وہ جب چاہے اس سے یہ مال واپس لے سکتا ہے اور مالک کو اس لیے ملکیت تام حاصل نہیں کہ فی الحال واقعتاً مال اس کے قبضہ و تصرف میں نہیں ہے' غیر کے تصرف میں ہے جس سے فائدہ بھی

غیر ہی اٹھا رہا ہے۔ اس لیے دونوں ملکیت تام سے محروم ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے۔

اور بعض کے نزدیک مقروض کے ذمے زکوٰۃ کی ادائیگی ہے کیونکہ مال اس کے قبضہ و تصرف میں ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔ تاہم یہ ساری آراء و مسالک جمہور علماء و فقہاء کے مسلک کے خلاف ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک قرض پر دی ہوئی رقم کی دو صورتیں ہیں اور دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

(۱) قرض کی رقم ایسے شخص کے ذمے ہے جو صاحب حیثیت ہے اور اس کی طرف سے وصولی میں بھی کوئی شبہ اور خطرہ نہیں' اس کی وصولی یقینی ہے۔

(۲) قرض کی رقم ایسے شخص کے ذمے ہے جو تنگ دست اور مفلس ہے' یا ایسے شخص کے ذمے ہے کہ جو سرے سے ادائیگی ہی کا منکر ہے اور ایسا کوئی دستاویزی ثبوت بھی نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر وصولی کے لیے قانونی چارہ جوئی ممکن ہو۔

پہلی صورت میں جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ قرض دہندہ قرض دی ہوئی رقم کی باقاعدہ ہر سال اپنے موجود مال کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرے۔ کیوں کہ اس کی قرض دی ہوئی رقم محفوظ ہے' جسے وہ جب چاہے بآسانی وصول کر سکتا ہے۔ اس کو ایسا ہی سمجھا جائے گا گویا یہ رقم بھی اس کے پاس ہے۔

دوسری صورت میں قرض دی ہوئی رقم کی زکوٰۃ اس وقت ادا کی جائے گی جب وہ وصول ہو جائے' تاہم اس میں یہ اختلاف ہے کہ وصولی کے بعد گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ دی جائے' یا ایک ہی سال کی زکوٰۃ دی جائے۔ زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ صرف ایک سال کی زکوٰۃ اس وقت ادا کر دی جائے جب وہ رقم وصول ہو۔ اس سلسلے میں احناف کا مسلک البتہ یہ ہے کہ ایسے مال پر سرے سے کوئی زکوٰۃ ہی نہیں۔ نئے سرے سے اس کا حساب کیا جائے گا اور سال گزرنے کے بعد ہی اس پر زکوٰۃ عائد ہو گی۔

بہرحال صحیح مسلک یہی ہے کہ غیر یقینی رقم کی وصولی کے فوراً بعد ایک سال کی زکوٰۃ

نکال دی جائے اور نئے سرے سے سال گزرنے کا انتظار نہ کیا جائے۔

یہی حکم اس مال کا ہو گا جو کسی مقدمے وغیرہ کی صورت میں حکومت کے قبضے میں ہو اور مالک کے تصرف میں نہ ہو۔ حکومت کا قبضہ اٹھ جانے کے بعد جب یہ مال مالک کے قبضے میں آئے گا' تو اس میں ایک سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ اس قسم کے مذکور مال کو مالِ ضمار کہا جاتا ہے' یعنی ایسا مال جو انسان کی ملک میں تو ہو لیکن اس کا قبضہ و تصرف اس پر نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے مال کے متعلق یہی فیصلہ دیا ہے کہ وصول ہونے پر ایک سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ (موطأ امام مالک' کتاب الزکوٰۃ' باب الزکوٰۃ فی الدَّین)

اس کی مزید تفصیل --مالِ ضمار' تعریف اور حکم-- عنوان کے تحت آگے آ رہی ہے۔

(۳۴) مقروض پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جس شخص نے کسی سے قرض لیا ہے تو ظاہر بات ہے کہ حسب وعدہ یا حسب تیسیر اس قرض کا واپس کرنا ضروری ہے' جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مقروض اس مال کا مالک نہیں ہے' اس لیے اس کے ذمے اس کی زکوٰۃ نہیں' بلکہ اس کی زکوٰۃ مالک (قرض دہندہ) کے ذمے ہے۔ البتہ مقروض کے پاس جو اس کا اپنا مال ہے' اگر وہ مال اتنا ہی ہے کہ جس سے وہ صرف قرض ہی اتار سکتا ہے' تو اس کے اپنے مال میں بھی زکوٰۃ نہیں ہو گی' بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنا قرض اتارے۔ تاہم اگر اس کے پاس کوئی جائیداد یا ذریعۂ آمدنی ایسا ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے کما کر نہایت آسانی سے قرض اتار سکتا ہے' لیکن تساہل سے کام لیتا ہے۔ تو ایسے شخص کا معاملہ مشکوک ہے' اُسے محض اس قرض کی وجہ سے جسے وہ بآسانی اتار سکتا ہے' زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا جب کہ وہ صاحب نصاب ہو۔

(۳۵) قرض کو زکوٰۃ سے منہا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

کیا جا سکتا ہے' بشرطیکہ مقروض' فقیر و مسکین قسم کا آدمی ہو' کما کر اس کے لیے قرض کا بوجھ اتارنا نہایت مشکل ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ

قرض معاف کرنے سے مقصد، اس مقروض کا بوجھ کم کر کے اللہ کی رضا کا حصول اور اس کے حکم، ﴿وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (البقرۃ :۲/۲۸۰) پر عمل کرنا ہو، کوئی اور مقصد اور مفاد نہ ہو۔ اس صورت میں قرض دہندہ شخص اس قرض کو زکوٰۃ سے منہا کر سکتا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ ہم تمہاری جو مدد کر رہے ہیں یا جو قرض معاف کر رہے ہیں، وہ زکوٰۃ کی رقم سے ہے، بلکہ بتائے بغیر بھی کسی مستحق کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا قرضہ معاف کر کے اسے زکوٰۃ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ زیادہ بہتر صورت ہے تاکہ زکوٰۃ لینے میں کوئی شخص اپنی سبکی اور ذلت محسوس نہ کرے۔

زکوٰۃ کو، زکوٰۃ کہہ کر دینے میں بہت سے مستحق مگر خوددار قسم کے لوگ، لینا پسند نہیں کرتے، جب کہ حکم یہی ہے کہ زکوٰۃ ایسے لوگوں کو بھی دو جو لوگوں سے سوال نہیں کرتے اور ایسی حالت بھی بنا کر نہیں رکھتے کہ لوگ انہیں غریب سمجھ کر ازخود کچھ دے دیں۔ اس قسم کے محروم اور عفیف (سوال سے بچنے والے) لوگوں کو بغیر بتائے زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے، بلکہ ایسے لوگوں کو بطور خاص تلاش کر کے زکوٰۃ کی رقم سے ان کی مدد کرنی چاہیے، کیونکہ مانگنے والے تو در در سے مانگ کر اور ہر جگہ سے تھوڑا تھوڑا حاصل کر کے اپنی ضرورت سے بھی زیادہ امداد حاصل کر لیتے ہیں جب کہ سفید پوش خوددار قسم کے لوگ ایسا نہیں کر سکتے، وہ اپنے مسائل کے بوجھ تلے خود کراہتے رہتے ہیں، لیکن کسی کو وہ بتلاتے ہیں نہ دست سوال ہی کسی کے آگے دراز کرتے ہیں۔

(۳۶) مہر کا مسئلہ مہر کی ادائیگی بہت ضروری ہے، لیکن لوگ اس میں بہت سستی کرتے ہیں۔ یہ مہر عورت کی طرف سے مرد پر قرض ہے۔ مرد اگر فوری طور پر ادا کر دے اور وہ نصاب یا اس سے زیادہ ہے یا عورت کے پاس موجود مال سے مل کر نصاب کو پہنچ جائے، تو عورت پر ہر سال اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے اور اگر خاوند کئی سال تک وہ مہر ادا نہیں کرتا، یعنی عورت کا قرض اسے نہیں دیتا، تو سالہا سال کے بعد جب بھی وہ دے گا، تو ملتے ہی عورت اس میں سے ایک سال کی زکوٰۃ نکال دے، اگر وہ مقدارِ نصاب کے مطابق یا اس سے زیادہ ہو۔

یہ دَینِ مہر' مال ضمار کے حکم میں ہے جس میں سے ایک سال کی زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔

(۳۷) مالِ ضمار' تعریف اور حکم

مالِ ضمار اس کو کہتے ہیں کہ جو مالک کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کی واپسی یقینی نہ ہو' جیسے کوئی قرض لے کر مکر جائے اور قرض دہندہ کے پاس کوئی لکھی ہوئی تحریر یا گواہ بھی نہ ہو' یا کوئی اس سے چھین کر لے گیا اور اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح وہ مال بھی مالِ ضمار میں شمار ہوگا جو فی الحال انسان کی دسترس میں نہ ہو۔ جیسے جنگل بیابان میں کسی نے کوئی خزانہ چھپایا اور جگہ کی اسے شناخت نہ رہی۔ یا کسی کا مال سمندر میں ڈوب گیا' یا کسی ظالم و جابر حکمران نے اس کا مال ہتھیا لیا۔ ان تمام صورتوں میں مالک اپنے مال سے محروم ہوگیا ہے' لیکن یہ محرومی مکمل محرومی نہیں ہے' بلکہ ان صورتوں میں امید کی کرن بھی موجود ہے اور کسی وقت مال کے مل جانے کا امکان ہے۔ اس لیے جب تک یہ مال مالک کو واپس نہ ملے' اس کے ذمے اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری نہیں۔ البتہ اگر مل جائے چاہے سالہا سال کے بعد ملے' تو ملتے ہی ایک سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے' تمام سالوں کی ادائیگی ضروری نہیں۔ اسی طرح ڈوبا ہوا قرض ہے' جب بھی وہ ملے' چاہے کئی سال کے بعد ہی ملے' اس میں سے صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ اس کی بنیاد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حسب ذیل فرمان ہے' جو انہوں نے یہ اطلاع پا کر جاری فرمایا تھا کہ بعض اہل کارانِ حکومت نے بعض لوگوں کا مال ظلماً اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

«يَأْمُرُ بِرَدِّهِ إِلٰى أَهْلِهِ وَيُؤْخَذُ زَكَاتُهُ لِمَا مَضٰى مِنَ السِّنِيْنَ ثُمَّ عَقَّبَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِكِتَابٍ، أَنْ لاَّ يُؤْخَذُ مِنْهُ إِلاَّ زَكَاةٌ وَّاحِدَةٌ، فَإِنَّهُ كَانَ ضِمَارًا»(موطأ الإمام مالك، الزكاة، باب الزكاة في الدين: ۱/ ۲۵۳، طبع جديد)

''ان کا مال مالکوں کو لوٹا دیا جائے اور ان سے تمام گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ وصول کی جائے۔ اس کے فوراً بعد ہی ایک اور مکتوب آپ نے بھیجا اور اس میں لکھا کہ ان سے

صرف ایک سال ہی کی زکوٰۃ وصول کی جائے۔ کیونکہ یہ مالِ ضمار ہے۔"

پراویڈنٹ فنڈ: بعض علماء نے پراویڈنٹ فنڈ کو بھی مالِ ضمار شمار کیا ہے' کیونکہ یہ بھی مالک کا ایسا مال ہے جو اس کے قبضے اور تصرف میں نہیں ہے۔ اس لیے یہ فنڈ جب بھی اسے ملے' تو ایک سال کی زکوٰۃ اس میں سے نکال دے' واللہ اعلم۔

(۳۸) بیمے کی رقم جس نے بیمہ کرا رکھا ہو' اسے یا اس کے ورثاء کو بیمے کی رقم یک مشت مل جائے' تو کیا کیا جائے؟ بیمہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے' یہ سرمایہ دارانہ سودی نظام کا ایک حصہ ہے جس سے معاشرے میں خود غرضی اور خونخواری ہی کی فضا قائم ہوتی ہے۔ جب کہ زکوٰۃ سے اس کے برعکس ہمدردی و اخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں' بیمے کی رقم کسی ایک شخص یا اس کے نامزد وارث کو ملتی ہے جو اس کا پریمیئر ادا کرتا ہے' غریب کو تھوڑی رقم ملتی ہے کیونکہ وہ جمع بھی تھوڑی ہی رقم کراتا ہے' مالدار کو زیادہ رقم ملتی ہے کیونکہ وہ رقم بھی زیادہ جمع کراتا ہے۔ اس کے برعکس جس شخص کو زکوٰۃ دی جاتی ہے' اسے کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے نہ وہ کوئی متعین آدمی ہی ہوتا ہے' بلکہ جو بھی مستحق ہوگا' وہ زکوٰۃ لینے کا حق دار ہوگا اور دوسرے مسلمانوں پر اس کی مدد کرنی واجب ہوگی۔ اس لحاظ سے اسلام کا نظامِ زکوٰۃ ایک بہترین نظام ہے جو ضرورت مندوں کی بے لوث خدمت اور ان کے ساتھ ہمدردی و غم خواری پر مبنی ہے۔ کاش! مسلمان صحیح طریقے سے اسلام کے اس نظام کو اپنا سکیں' تاکہ دنیا اس کے ثمرات و برکات کا مشاہدہ کر سکے۔

بہرحال بات ہو رہی تھی بیمے کی رقم کی کہ اگر وہ ملے' تو اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حساب سے اسے نکالا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ وہ سودی رقم ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور زکوٰۃ' صرف حلال مال میں سے نکالی جاتی ہے نہ کہ حرام مال میں سے بھی۔

(۳۹) مشینری وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں جس طرح رہائشی مکان اور اسی طرح گھر میں استعمال میں آنے والی اشیاء پر زکوٰۃ نہیں' یا جیسے ہل جوتنے یا رہٹ چلانے والے بیل اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح کارخانوں کی

عمارتوں اور مشینریوں پر زکوٰۃ نہیں۔ ان پر بھی اگر زکوٰۃ ہوتی تو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، کیونکہ بعض دفعہ لاکھوں کروڑوں روپے کارخانوں اور مشینریوں پر لگانے کے باوجود، کئی سال تک کوئی نفع نہیں ہوتا، اس صورت میں اگر کارخانے دار کو کاروبار میں لگائے ہوئے لاکھوں یا کروڑوں روپے کی ڈھائی فیصد سالانہ زکوٰۃ بھی ادا کرنی پڑتی تو اس کی مشکلات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اسلام نے عمارتوں، آلات و اوزار اور مشینریوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھا ہے۔ ہاں ان کے ذریعے سے جو منافع ہو گا، اس پر زکوٰۃ ہو گی اور وہ بھی تب، جب منافع میں سے جو کچھ اس کی ضروریات پوری ہونے کے بعد بچ جائے اور وہ اس کے پاس ایک سال تک پڑا رہے اور اس کی مقدار بھی نصاب کے مطابق ہو۔ اگر ان میں سے ایک بات بھی کم ہو گی، تو زکوٰۃ اس پر عائد نہیں ہو گی۔

(۴۰) مشترکہ کاروبار یا کمپنیوں میں حصص کی زکوٰۃ

مشترکہ کاروبار میں اور اسی طرح کمپنیوں کے جائز حصص میں ہر شخص کو اپنے نفع یا اپنے حصص میں سے زکوٰۃ نکالنی ہو گی، بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائیں یا اس کے پاس موجود دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائیں۔

باب : دوم

زکوٰۃ کے مسائل اور اس کا نصاب

اب ذیل میں مختصراً زکوٰۃ کے ضروری مسائل بیان کئے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ چار قسم کے مالوں پر واجب ہے۔

(۱) زمین کی پیداوار غلہ' اناج اور پھل فروٹ۔

(۲) باہر چرنے والے چوپائے (مویشی) جیسے اونٹ' گائے' بکری وغیرہ۔

(۳) سونا چاندی اور زیورات اور اسی میں نقدی بھی شامل ہے۔

(۴) وہ سامانِ تجارت' جس کی تجارت کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

ان چاروں چیزوں کا علیحدہ علیحدہ نصاب مقرر ہے' اس نصاب سے کم مال یا کم تعداد پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ فِيْمَا أَقَلُّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ، وَلاَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةٍ مِّنَ الإِبِلِ الذَّوْدِ صَدَقَةٌ، وَلاً فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ أَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، ح: ١٤٨٤)

''زمینی پیداوار میں پانچ وسق (تقریباً ۲۰ من) سے کم میں زکوٰۃ نہیں' پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ اُوقیے (دو سو درہم' یعنی $\frac{1}{2}$۵۲ تولہ چاندی) سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔''

مذکورہ چیزوں کا نصاب اور ان کی شرح زکوٰۃ کی بابت ضروری تفصیل اگلے صفحات میں درج ہے:

(ا) زرعی پیداوار کا نصاب اور اس کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۶۷)

''اے ایمان والو! اپنی حلال پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اور ان چیزوں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالیں۔''

یہاں انفاق سے مراد' انفاق فی سبیل اللہ ہے اور انفاق فی سبیل اللہ میں نفلی اور فرضی دونوں قسم کا انفاق شامل ہے۔ نفلی انفاق کو عام طور پر صدقہ اور فرضی انفاق کو زکوٰۃ اور عُشر کہا جاتا ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں جائز تجارت کے ذریعے سے کمائے ہوئے مال اور زمین کی پیداوار یعنی دونوں میں سے انفاق کا حکم بطور امر کے ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے یہ آیت دونوں قسم کے مالوں میں زکوٰۃ کے وجوب کی دلیل ہے اور حدیث رسول میں اس کی مزید وضاحت کر دی گئی ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بارانی اور چشموں سے سیراب ہونے والی زمین اسی طرح زیر زمین نمی والی زمین کی پیداوار میں عشر (دسواں حصہ) ہے اور جس زمین کو رہٹ وغیرہ سے سیراب کیا جائے' اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ' پانچ فیصد) ہے۔ (صحیح بخاری' الزکاۃ' باب العشر فیما یسقٰی من ماء السماء و الماء الجاری' ح:۱۴۸۳)

قرآنی آیت اور حدیث رسول' دونوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں زکوٰۃ ہے۔ سوائے سبزیوں کے' کیونکہ اس میں زکوٰۃ نہ نکالنے کی صراحت حدیث میں آ گئی ہے۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے) البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ پیداوار پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو۔ گویا اناج اور غلے کا نصاب پانچ وسق ہے' اس سے کم پیداوار میں زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی' جیسا کہ پہلے حدیث گزری ہے۔ ایک وسق' ساٹھ صاع

کا ہوتا ہے' اس طرح پانچ وسق میں تین سو صاع ہوں گے جن کا وزن پاکستانی حساب سے تقریباً ۲۰ من بنتا ہے۔ للہٰذا جس شخص کی پیداوار ۲۰ من یا اس سے زائد ہے' تو وہ زکوٰۃ ادا کرے' بصورت دیگر نہیں۔

زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کو عشر کہا جاتا ہے' گو اس کی دو قسمیں ہیں' عشر اور نصف عشر لیکن اصطلاح میں دونوں قسموں کو عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ (یعنی عشر) کی ادائیگی فصل کاٹنے کے موقعے پر ہو گی۔ اگر سال میں دو فصلیں ہوں گی' تو عشر بھی دو مرتبہ ادا کرنا ضروری ہو گا۔ کیونکہ اس میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے' بلکہ فصل کا ہونا شرط ہے۔ وہ جب بھی ہو یا جب جب بھی ہو۔

اگر زمین بارانی ہے یعنی بارش' قدرتی چشموں وغیرہ سے سیراب ہوتی ہے' اور اس پر کچھ خرچ نہیں ہوتا تو اس کی پیداوار سے دسواں حصہ (عُشر) ادا کیا جائے اگر زمین غیربارانی ہے (یعنی چاہی یا نہری ہے جس کی سیرابی پر آبیانہ وغیرہ کی صورت میں اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں' یا ٹیوب ویل کے ذریعے سے اسے سیراب کیا جاتا ہے) تو اس سے نصف العشر (بیسواں حصہ) ادا کیا جائے گا اس کی بنیاد یہ حدیث ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا، الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء والماء الجاري، ح: ١٤٨٣)

''اس پیداوار میں جسے آسمان (یعنی بارش) یا (قدرتی) چشمے سیراب کریں یا وہ زمین نمی والی ہو (یعنی نہر اور دریا کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اس میں اتنی نمی رہی ہو کہ اسے پانی دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے) عشر (دسواں حصہ) ہے اور جسے ڈول (یا راہٹ وغیرہ) سے سیراب کیا جائے' اس میں نصف عشر (۲۰واں حصہ یعنی ۵%) ہے۔''

زکوٰۃ صرف اس پیداوار سے ادا کی جائے گی جو ذخیرہ کی جا سکتی ہو۔ جیسے گندم' چاول' مکئی' جَو وغیرہ۔ اسی لیے سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں' کیوں کہ ان کا زیادہ دیر تک ذخیرہ ممکن نہیں۔

حدیث میں آتا ہے:

«لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ زَكْوةٌ ـ وَفِي رِوَايَةٍ ـ صَدَقَةٌ»(سنن الدارقطني وجامع الترمذي بسند ضعيف كما في فيض القدير شرح جامع الصغير: ٥/ ٣٧٣)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''سبزیوں میں زکوٰۃ سے متعلق حدیث کی سند میں اگرچہ کچھ مقال (گفتگو) ہے، لیکن چونکہ یہ کثرتِ طرق سے مروی ہے، اس لیے قابل احتجاج ہے۔'' (الدراری المضینة شرح الدرالبهية، ج:۲، ص:۱۳)

شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو کثرت طرق کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے، (الارواء، رقم:۸۰۱) علاوہ ازیں اسے صحیح الجامع الصغیر (رقم:۵۴۱۱) میں درج کیا ہے۔ نیز اس کی تائید و شہادت میں یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجتے وقت نصیحت فرمائی تھی۔

«لاَ تَأْخُذُوا الصَّدَقَةَ إِلاَّ مِنْ هٰذِهِ الأَرْبَعَةِ: الشَّعِيْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ»(إرواء الغليل: ٣/ ٢٧٨)

''صرف ان چار چیزوں سے زکوٰۃ وصول کرنا، جو، گندم، منقیٰ، (کشمش، بعض روایات میں عنب یعنی انگور کے الفاظ ہیں) اور کھجور۔''

اس حدیث میں سبزیوں کا ذکر نہیں ہے۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اگرچہ صحیح قرار دیا ہے۔ تاہم بعض علماء کے نزدیک یہ مرسل ہے۔ اس لیے اکثر ائمہ اس بات کے قائل ہیں کہ مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ اور بھی جو چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں، ان سب میں عشر یا نصف العشر ہے، جیسے باجرہ، مکئی، چنے، چاول، سرسوں، توریہ، تارامیرا، گنا وغیرہ ہیں۔ ان کی دلیل قرآنی آیت: ﴿ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ (البقرة: ٢-٢٦٧) اور حدیث «فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ» کا عموم ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں کے الفاظ عام ہیں کہ زمین کی ہر پیداوار میں زکوٰۃ ہے۔ اس عموم کا تقاضا ہے کہ سب میں سے عُشر یا نصف العشر نکالا جائے اس عموم سے صرف وہی چیز خارج ہو گی جس کا استثناء حدیث سے ثابت ہو گا، جیسے سبزیوں کا استثناء حدیث سے ثابت ہے، اس لیے ان میں عشر یا نصف العشر نہیں ہو

گا۔ تاہم سبزیوں کے استثناء سے بالواسطہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زمین کی جو پیداوار بھی زیادہ عرصے تک محفوظ رکھی جا سکتی ہے' اس میں زکوٰۃ (عشر یا نصف عشر) ادا کیا جائے۔ اسی لیے مذکورہ عموم کے قائل ائمہ' زمین کی پیداوار کے لیے دو شرطیں ضروری قرار دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ماپی تولی جانے والی ہوں۔ دوسری یہ کہ وہ بطور خوراک ذخیرہ کی جاتی ہوں۔ اس موقف کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں:

«لَيْسَ فِي حَبٍّ وَّلاَ تَمْرٍ صَدَقَةٌ، حَتَّى يَبْلُغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ»(صحيح مسلم، الزكاة، باب ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، ح:٩٧٩)

''کسی دانے (غلے) اور کھجور میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک وہ پانچ وسق تک نہ پہنچ جائے۔''

اس حدیث میں حب (دانے یعنی غلے) کا لفظ عام ہے جو ہر قسم کے غلے کو شامل ہے' اس لیے اس میں تمام مذکورہ اجناس آ جاتی ہیں جو کھائی جاتی اور ذخیرہ کی جاتی ہیں۔

اسی طرح جو پھل ہیں' ان میں سے آئندہ فصل تک رہنے والے پھل بھی مذکورہ علماء کے نزدیک اس پیداوار ہی سے سمجھے جائیں گے جن میں زکوٰۃ نکالی جاتی ہے' کیونکہ ان میں بھی ذخیرہ کرنے اور خوراک کی علت موجود ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے' فقه السنة' ج:اول' مبحث الزکاۃ) تاہم جو پھل زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے' وہ سبزی کے حکم میں ہوں گے' یعنی ان میں زکوٰۃ نہیں ہوگی' ان کے مالک سال کے بعد' اگر اُن کے پاس نقدی نصاب کی مقدار میں یا اس سے زیادہ ہوگی' تو وہ ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کریں گے۔

کپاس سبزی میں داخل نہیں' اس میں سے (حسب تصریح مذکور) عُشر یا نصف العشر ادا کیا جائے۔ (سنن ابی داؤد' باب الخراج)

یہی حکم زیرے اور دھنیے وغیرہ کا ہو گا' کیوں کہ ان کا ذخیرہ ہو سکتا ہے۔ کماد کے سلسلے میں مولانا حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی رحمہ اللہ نے حسب ذیل تفصیل بیان کی ہے:

''کماد کھیت میں چارہ کے لیے فروخت کر دیا جائے تو اس پر عُشر نہیں' سبزی کے حکم میں ہے۔ اگر خود چرایا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے' لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ وہ گڑ بنانے

کے قابل نہ ہوا ہو۔ اگر کماد (گنا) گڑ شکر بنانے کے قابل ہو چکا تو اب خواہ فروخت کرے یا خود چرائے، اس پر عُشر پڑ جائے گا۔ اس صورت میں اندازہ لگایا جائے کہ اس سے کتنا گڑ شکر نکلے گا، اسی اندازہ سے عُشر دیا جائے۔ مثلاً اگر گڑ شکر کا اندازہ پانچ وسق (۲۰ من پختہ) ہے تو بیس من کی قیمت کا دسواں یا بیسواں حصہ دیا جائے۔ پونڈا کماد میں یہ شرط نہیں، کیونکہ اس سے اصل مقصد گڑ شکر بنانا نہیں ہوتا، وہ بہرحال سبزی کے حکم میں رہے گا۔ ہاں اگر اس کا کوئی گڑ شکر بنا لے تو پھر عُشر پڑ جائے گا۔" (فتاویٰ اہلحدیث، جلد: دوم، ص: ۵۲۸-۵۲۹)

چینی کا نصاب بھی ۲۰ من ہے اور اس میں سے عشر ادا کرنا ہوگا۔ ٹھیکے والی زمین میں پہلے ٹھیکہ الگ کر لیا جائے، پھر عشر نکالا جائے۔ اسی طرح مال کا معاملہ بھی الگ کر لیا جائے، البتہ نہر کا معاملہ الگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ نہری زمین چاہی زمین کے حکم میں ہے، جس میں عشر (دسواں حصے) کی بجائے۔ نصف العشر (بیسواں حصہ) دینے کی رعایت موجود ہے۔ ٹھیکے والی زمین میں مالک زمین اپنے حصے میں سے الگ عشر ادا کرے۔

اگر کسی کھیت میں پیداوار غلے کی مختلف جنس سے ہو، مثلاً گیہوں دس من، باجرہ پانچ من، جو پانچ من، اسی طرح ایک موسم کی مختلف جنسیں مل کر حد نصاب (۲۰ من) کو پہنچ جائیں، تو ان میں عشر یا نصف العشر نکالنا ہوگا یا جیسے سرسوں، توریہ اور تارامیرا وغیرہ ہیں، یہ بیج بھی آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک ساتھ ہی ان کی فصل تیار ہوتی ہے، اس لیے یہ بھی ایک ہی جنس کے حکم میں ہوں گی۔ جیسے بھیڑ اور دنبوں کو بکری کی جنس میں اور بھینس کو گائے کی جنس میں شمار کر کے ان کو باہم ملا کر نصاب پورا ہونے کی صورت میں ان کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اکثر علماء مذکورہ جنسوں کو بھی جو ایک دوسری سے ملتی جلتی ہوں گی، باہم ملا کر نصاب تک پہنچ جانے کی صورت میں عشر کی ادائیگی کے قائل ہیں۔ کیوں کہ سب میں علت (طعم) ایک ہی ہے، اس لیے ایک ہی موسم کی مختلف جنسیں ایک ہی فصل کے حکم میں سمجھی جائیں گی۔ تاہم جن کی جنسوں میں زیادہ اختلاف ہے، انہیں باہم ملا کر ایک نصاب بنانا صحیح نہیں۔ جیسے کپاس اور گنا ہیں۔ ان دونوں میں باہم

بڑا فرق ہے۔ اس لیے انہیں ملا کر نصاب بنانا صحیح نہیں ہو گا۔

پھلوں اور غلوں کے نصاب کے اعتبار کا وقت اور اربابِ مال کیلئے رعایت: جن پھلوں میں عشر عائد ہو گا' ان میں نصاب کے اعتبار کا وقت کون سا ہو گا؟ جب وہ خشک ہو جائیں گے' جیسے کھجور ہے' جب وہ چھوارا بن جائے اور انگور' جب وہ کشمش اور منقیٰ بن جائے۔ چنانچہ استاذالاساتذہ واستاذی المحترم شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب فرماتے ہیں۔

"ان دونوں (کھجور اور انگور) پھلوں کی زکوٰۃ کا طریقہ یہ ہے کہ پھل پکنے کے قریب صاحبِ فراست عامل' باغ میں گھوم پھر کر تمام پھل دیکھے اور اندازہ لگائے کہ اس باغ میں تازہ اور تر پھل کتنے من ہے اور خشک ہونے کے بعد کتنے رہ جائیں گے۔ مثلاً ایک باغ کا اندازہ لگایا کہ اس میں تر پھل ۱۵۰ من ہیں' خشک ہونے کے بعد ایک سو من رہ جائیں گے۔ سو من میں عشر ۱۰ من اور نصف عشر ۵ من ہے۔ یہ تفصیل وہ اپنے رجسٹر میں درج کرے۔ پھر جب پھل کٹ کر خشک ہو جائیں' تو آکر عشر یا نصف عشر وصول کرے۔ عشر میں خشک کھجور اور منقیٰ لیا جائے گا' تازہ پھل نہیں لیے جائیں گے۔ یہ تفصیل حدیث میں یوں ہے' عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

«أَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يُّخْرَصَ الْعِنَبُ كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ وَتُؤْخَذُ زَكٰوتُهُ زَبِيْبًا كَمَا تُؤْخَذُ صَدَقَةُ النَّخْلِ تَمْرًا»(سنن أبي داود مع عون المعبود: ٢/ ٢٤)

"رسول اللہ ﷺ نے حکم جاری فرمایا کہ انگور کا اندازہ کھجور کی طرح لگایا جائے اور اس کی زکوٰۃ منقیٰ کی صورت میں لی جائے جیسا کہ کھجور کی زکوٰۃ خشک کھجور (چھوارے) سے وصول کی جاتی ہے۔"

کھجور اور انگور کا اندازہ کرنے کے بعد اب باغ کا مالک آزاد ہے کہ اپنا پھل تازہ بتازہ بیچ دے' خود کھائے یا دوست احباب کو تحفے میں دے دے۔"

استاذ محترم دامت برکاتہ اس طریقے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اندازے کا یہ طریقہ فریقین (فقراء اور اصحابِ مال) کی مصلحت کے پیش نظر جاری کیا

گیا ہے' کیونکہ یہ پھل خشک اور تازہ دونوں طریقے سے کھائے جاتے ہیں۔ اس لیے اگر اندازے کے بغیر ان کے استعمال کی اجازت ہوتی' تو فقراء کا سراسر نقصان تھا اور اگر عشر ادا کیے بغیر ان کے استعمال سے روک دیا جاتا تو اصحابِ مال خسارے میں رہتے' اور طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا ہو جاتے۔ اندازہ لگانے سے فقراء کے نقصان کا خطرہ جاتا رہا اور اصحابِ مال کے لیے بھی کوئی دقت باقی نہ رہی۔ اس طریقے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں صاحب مال کی ہیرا پھیری اور خیانت کا اندیشہ باقی نہیں رہتا' فقراء کا حق اس کے ذمے متعین ہو جاتا ہے۔ عامل' وقت پر آکر وصول کرے گا۔ شریعت کی طرف سے اس سلسلے میں اربابِ مال کو ایک رعایت بھی دی گئی ہے' جس کا ذکر حدیث میں یوں آیا ہے۔

حضرت سھل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ارشاد فرمایا:

«إِذَا خَرَصْتُمْ فَجُذُّوْا فَدَعُوا الثُّلُثَ فَإِنْ لَّمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ» (سنن أبي داود مع عون المعبود: ٢/ ٢٤)

''جب تم کسی باغ کا اندازہ لگاؤ پھر کاٹو تو تیسرا حصہ چھوڑ دو۔ اگر تیسرا حصہ نہ چھوڑو تو چوتھا حصہ چھوڑ دو۔''

اس کے دو معنی ہیں' اصل اندازے سے تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑ دو۔ یا عشر لیتے وقت عشر سے تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑ دو۔ مثلاً کسی باغ کے خشک پھل کا اندازہ ۱۰۰ من ہے تو اس سے ۳۳ یا ۲۵ من چھوڑ دو' کیونکہ باغ والے کو اپنے طور پر بھی غرباء و مساکین اور مزدور پیشہ لوگوں سے ہمدردانہ سلوک کرنا پڑتا ہے۔ نیز دوست احباب' خویش و اقارب کے حقوق بھی ادا کرنا ہوتے ہیں۔'' (رسالہ تعلیم الزکاۃ' ص: ۶۰-۶۲)

اسلامی تعلیمات کی خوبی: سبحان اللہ! اسلام کی تعلیم میں کتنا اعتدال' توازن اور ہر فریق کی رعایت کا اہتمام ہے۔ یہ حکمت اور رعایت آسمانی مذہب ہی میں ہو سکتی ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون میں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ انسانوں کے سامنے تو مخصوص حالات یا مخصوص دور کی مصلحتیں اور ضرورتیں ہوتی ہیں' علاوہ ازیں قانون وضع کرنے والی حکومتوں یا جماعتوں کے اپنے مفادات بھی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حالات تبدیل

ہوتے ہیں یا ایک حکومت کے بعد دوسری حکومت آتی ہے تو قانون میں ازخود تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا اپنی مصلحت و ضرورت کے تحت وہ حکومت' تبدیلی پر مجبور ہوتی ہے۔

یہ امتیاز اور تفوق صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کو حاصل ہے کہ وہ آفاقی بھی ہیں اور ابدی بھی اور زمان و مکان کی قیود سے ماوراء بھی۔ اس لیے لیل و نہار کی گردشیں ہی اس پر اثر انداز ہوتی ہیں نہ حکومتوں کی تبدیلیوں ہی سے وہ متأثر ہوتی ہیں' کیونکہ ان کا ماخذ و مبنیٰ وحیٔ الٰہی اور اللہ کی نازل کردہ ہدایات ہیں جو انسانوں کا خالق اور ان کی ایک ایک چیز کو جاننے والا ہے۔

غلوں کے نصاب کا وقت : بہرحال کھجور اور انگور (یا ان جیسے دیگر پھل' جن میں زکوٰۃ ان سے مشابہت کی بنیاد پر قیاساً عائد کی گئی ہو) کے نصاب کا تعین مذکورہ طریقے سے کیا جائے گا اور دانوں یعنی اناج اور غلوں کا' اس وقت جب وہ صاف کر لیے جائیں گے' اگر وہ چھلکے والے ہوں گے۔ جیسے گندم' چاول وغیرہ ہیں۔ اگر وہ چھلکوں سمیت ہی پیس لیے جاتے ہوں یا ان پر چھلکا ہوتا ہی نہ ہو' تو ان کے نصاب کا تعین فوری طور پر ممکن ہے۔

شہد میں زکوٰۃ : شہد بھی ایک اہم پیداوار ہے۔ بالخصوص آج کل تو فارمنگ کے ذریعے سے شہد کی پیداوار میں بہت کثرت اور اسی اعتبار سے اس کے کاروبار میں بھی بڑی وسعت ہو گئی ہے۔ اس لیے اکثر علماء کے نزدیک اس میں بھی زکوٰۃ ہے اور اس میں بھی زرعی پیداوار کی طرح عشر (دسواں حصہ) ہے۔ یعنی دس مشکوں میں ایک مشک شہد بطور زکوٰۃ نکالا جائے گا۔ اس کی بابت حدیث ہے جسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس کی بنیاد پر امام شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں رحمہما اللہ بھی اس میں زکوٰۃ کے قائل ہیں۔

(الروضة الندية شرح الدرر البهية' ۱/۴۸۹' بتحقيق محمد صبحي حسن حلاق' دارالهجرة' صنعاء يمن)

یہ حدیث درج ذیل ہے:

«كَانَ يُؤْخَذُ فِي زَمَانِهِ مِنْ قِرَبِ الْعَسَلِ، مِنْ كُلِّ عَشْرِ قِرَبٍ قِرْبَةٌ

مِّنْ أَوْسَطِهَا» (إرواء الغليل، ح: ٨١٠)

"نبی ﷺ کے زمانے میں شہد کی مشکوں میں سے ہر دس مشکوں میں ایک درمیانی مشک زکوٰۃ میں لی جاتی تھی۔"

جو زمینیں وقف ہیں' ان کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں' کیونکہ وہ تو پہلے ہی فی سبیل اللہ وقف (صدقہ) ہیں۔

(۲) جانوروں کا نصاب اور اس میں زکوٰۃ کی تفصیل

اموالِ زکوٰۃ کی دوسری قسم میں وہ جانور ہیں جو باہر چرنے والے (سائمہ) ہیں' گویا ان جانوروں کی زکوٰۃ کے لیے مقررہ نصاب اور حولانِ حول (سال گزرنے) کے علاوہ' تیسری شرط یہ ہے کہ یہ سارا سال یا سال کا بیشتر حصہ باہر جنگلوں میں خود رَو گھاس چر کر گزارہ کرنے والے ہوں۔ اگر ان جانوروں کو سارا سال یا سال کا بیشتر حصہ مالک خود اپنی گرہ سے چارہ خرید کر کھلائے گا' تو ان میں زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ جانور غیر عاملہ ہوں' یعنی ان سے ہل یا رہٹ چلوانے کا یا کسی اور قسم کا کام نہ لیا جاتا ہو۔ کیونکہ عام جانوروں کی حیثیت' آلات اور مشینری کی سی ہے جو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ جن جانوروں کی زکوٰۃ لینے کا حکم احادیث میں ہے' وہ تین قسم کے ہیں۔

(۱) اونٹ۔ (۲) بکریاں (بھیڑ دنبے اس میں شامل ہوں گے)

(۳) گائے (بھینس اس میں شامل ہوگی۔) ان کی زکوٰۃ حسب ذیل طریقے سے ادا کی جائے گی۔

(۱) اونٹ جب کسی کے پاس پانچ اونٹ سے کم ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔ البتہ پانچ اونٹ یا اس سے زیادہ ہوں تو پھر ان کی تعداد کے اعتبار سے ضابطہ زکوٰۃ یوں ہو گا:

- ۵ سے ۲۴ اونٹوں تک' ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری۔ گویا ۵ سے ۹ تک' پھر ۱۰ سے ۱۴ تک' پھر ۱۵ سے ۱۹ تک اور ۲۰ سے ۲۴ تک ایک ہی نصاب شمار ہو گا۔
- ۲۵ سے ۳۵ تک' ایک سال کی اونٹنی (بنت مخاض) یا دو سال کی اونٹنی (بنت لبون)
- ۳۶ سے ۴۵ تک دو سال کی اونٹنی (بنت لبون)
- ۴۶ سے ۶۰ تک' تین سال کی اونٹنی (حقہ)
- ۶۱ سے ۷۵ تک' چار سال کی اونٹنی (جذعہ)

- ۷۶ سے ۹۰ تک' دو دو سال کی دو اونٹنیاں
- ۹۱ سے ۱۲۰ تک' تین تین سال کی دو اونٹنیاں
- ۱۲۰ سے زیادہ تعداد پر' ہر چالیس اونٹوں پر دو سال کی اونٹنی اور ہر پچاس پر تین سال کی اونٹنی دینی ہو گی۔

(صحیح بخاری' باب العرض فی الزکوٰۃ' ح :۱۴۴۸- ۱۴۵۳- ۱۴۵۴ وغیرھما۔)

نیز جس شخص کے پاس اس عمر کے جانور سے چھوٹا اونٹ ہو جو اس پر بطور زکوٰۃ لازم آتا ہے' تو اس کے ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم دے گا اور اگر اس کے پاس بڑا ہو تو وہ زکوٰۃ لینے والے اہل کار سے دو بکریاں یا بیس درہم وصول کرنے کا حق دار ہو گا۔ (حوالہء مذکور)

(۲) بکریاں | بکریوں (اور بھیڑ دنبوں) میں زکوٰۃ حسب ذیل ضابطے سے ادا کی جائے گی:

- ۴۰ بکریوں سے ۱۲۰ تک : ایک بکری
- ۱۲۱ سے ۲۰۰ تک : دو بکریاں
- ۲۰۰ سے ۳۰۰ تک : تین بکریاں
- ۳۰۰ سے اوپر ہر ۱۰۰ کے بعد : ایک بکری (حوالہء مذکور)

ملحوظہ : اگر بکریاں اور بھیڑ' دُنبے مل کر بھی تعدادِ نصاب کو پہنچ جائیں گے تو مذکورہ حساب کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہو گی' کیونکہ جنس کے اعتبار سے یہ سب ایک ہی ہیں۔

(۳) گائے | گائے' بیل (اور بھینس) میں حسب ذیل ضابطے کے مطابق زکوٰۃ نکالنی ہو گی: تیس سے کم گائے' بیل میں زکوٰۃ نہیں۔

- ۳۰ گائے پر' ایک بچھڑا یا بچھڑی (ایک سالہ) ۳۹ گایوں تک شرح زکوٰۃ یہی ہو گی۔
- ۴۰ پر ایک مُسِنّہ (یعنی دو سالہ' نر یا مادہ' جس کے دودھ کے دانت ٹوٹ چکے ہوں۔)

اس سے زیادہ' ہر تیس گائے پر ایک بچھڑا (ایک سالہ) اور ہر چالیس پر ایک مُسِنّہ۔ اس حساب سے چالیس سے زائد گایوں پر زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی' تاآنکہ ان کی تعداد ستر ہو جائے۔ ۷۰ گایوں پر حساب مذکور سے ایک بچھڑا اور ایک مُسِنّہ زکوٰۃ عائد ہو گی اور ۸۰ گایوں

پر دو مسنے۔ وعلیٰ ہذا القیاس (الروضة الندية شرح الدرر البهية' ج :ا' ص :٤٦٧' طبع جديد)

اس میں بھی گائے اور بھینس مل کر نصاب کو پہنچ جائیں گے' تو زکوٰۃ لازمی ہو گی' کیونکہ یہ دونوں بھی جنس کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔

(۴) گھوڑے گھوڑوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے واضح طور پر کچھ منقول نہیں ہے۔ بعض روایات میں گھوڑوں کا حق ادا کرنے کا جو ذکر ہے تو اس سے مراد انہیں جہاد کے لیے استعمال کرنا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ غلام اور گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں۔

(صحيح بخاری' الزكوٰة' باب ليس على المسلم فی عبده صدقة' ح :١٤٦٤۔)

تو اس سے مراد بھی وہ گھوڑے ہیں جو جہاد میں کام آتے ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانے میں گھوڑوں کا یہی سب سے بڑا مصرف اور مقصد تھا۔ اس لیے آپ نے انہیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرما دیا۔ علاوہ ازیں یہ زیادہ تعداد میں بھی نہیں ہوتے' اس لیے بھی ان کا نصاب اور ان میں زکوٰۃ کی شرح کا تعین نہیں کیا گیا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بابت صراحت ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کی خواہش پر گھوڑوں میں زکوٰۃ لی۔ بنابریں اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کہیں گھوڑے بھی تجارت کے لیے پالے جاتے ہوں اور وہ معلوفہ نہ ہوں یعنی ان کی خوراک کا انتظام مالک کی طرف سے نہ ہو' بلکہ وہ سائمہ ہوں یعنی وہ دوسرے سائمہ جانوروں کی طرح ازخود چل پھر کر جنگلوں سے خوراک کھاتے ہوں' تو پھر ان سے بھی زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور ان کا نصاب حالات کے مطابق مقرر کیا جائے گا۔ یہی حکم گدھوں' خچروں وغیرہ کا ہے' جب تک یہ بار برداری کے لیے ہیں' زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن اگر ان کو تجارت کے لیے پالا جائے گا' تو پھر ان میں بھی زکوٰۃ ہو گی' بشرطیکہ سائمہ ہوں' معلوفہ نہ ہوں۔

متفرقات

- زکوٰۃ میں بوڑھا' بھینگا' عیب دار اور سانڈ جانور نہیں لیا جائے گا۔

(صحيح بخاری' الزكوٰة' باب (٣٩)' ح :١٤٥٥۔)

- اسی طرح عمر میں چھوٹا' بانجھ' حاملہ جانور اور گھر میں دودھ کے لیے پالی ہوئی گائے بھینس دی جائے نہ لی جائے۔ (الدراری)

- نصاب سے کم مقدار اور کم تعداد پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

(صحیح بخاری' الزکوٰۃ' باب زکوٰۃ الغنم' ح:۱۴۵۴۔)

- جو جانور کاروبار میں استعمال ہوتے ہوں' ان پر زکوٰۃ نہیں۔ (سنن دار قطنی)
- چنانچہ ڈیری فارم کے مویشیوں پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ البتہ ان کی آمدنی پر زکوٰۃ ہوگی۔
- اسی طرح پولٹری فارم کی مرغیوں اور انڈوں پر زکوٰۃ نہ ہوگی اگر وہ تجارت کے لیے ہیں اور زکوٰۃ ان کی آمدنی پر ہوگی۔

کوئی جبر یا حیلہ نہ کیا جائے: جانوروں کی زکوٰۃ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک اہم ہدایت یہ بھی ہے:

«وَلاَ يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلاَ يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ»
(صحيح البخاري، الزكاة، باب لا يجمع بين مفترق ولاً يفرق بين مجتمع، ح: ١٤٥٠)

"اور متفرق (الگ الگ) جانوروں کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھے جانوروں کو الگ الگ نہ کیا جائے' زکوٰۃ کے ڈر سے۔"

اس کا مطلب امام مالک نے یہ بیان کیا ہے:

"مثال کے طور پر تین آدمی ہیں' تینوں کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہیں' یہ تینوں اپنی اپنی بکریوں کو اکٹھا کر دیں (جب کہ حقیقت میں وہ الگ الگ ہیں) تاکہ زکوٰۃ میں ایک ہی بکری دینی پڑے۔ الگ الگ ہونے کی صورت میں ہر ایک کو ایک ایک بکری دینی پڑتی (اس حیلے سے دو بکریوں کی بچت ہو گئی) اسی طرح دو خلیط ہوں ان کی دو سو بکریاں ہوں' اس تعداد میں تین بکریاں زکوٰۃ میں دینی پڑتی ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں اپنی اکٹھی بکریوں کو الگ الگ کر لیں' تاکہ ہر ایک کو صرف ایک ایک بکری دینی پڑے' اس صورت میں ایک بکری کی بچت ہو جائے گی۔" (فتح الباری' باب مذکور ۳/۳۹۶)

خلیط اور شریک کا مطلب: اس میں خلیط کا لفظ آیا ہے' اس کا مطلب ہے کہ دو آدمی یا

دو سے زیادہ اپنی آسانی اور اخراجات کی بچت کے لیے اپنے جانوروں کے لیے ایک ہی باڑہ' ایک ہی چراگاہ' ایک ہی نرَ ایک ہی حوض اور ایک ہی چرواہا رکھیں اور اپنے اپنے جانوروں کی انہیں پہچان بھی ہو۔ اس کے ہم معنی ایک اور لفظ "شریک" ہے۔ جو ایک کاروبار میں شریک ساتھی کے لیے بولا جاتا ہے' دو ہوں تو شَرِیکَیْن زیادہ ہوں تو شُرَکَاء اسی طرح خلیط دو ہوں تو خَلِیطَیْن زیادہ ہوں تو خُلَطَاء کہا جاتا ہے۔ شریکوں کا مال مشترکہ ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے متمیّز (الگ الگ پہچان کا حامل) نہیں ہوتا' ان میں سرمائے کا اشتراک ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے ان کے مابین نفع نقصان کا تعین ہوتا ہے۔ ان کا حکم تو واضح ہے کہ ان کے جانور فردِ واحد کے حکم میں ہوں گے' زکوٰۃ کے خوف سے ان کو الگ الگ یا الگ الگ کو اکٹھا کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن خَلِیطَیْن یا خُلَطَاء کا معاملہ شَرِیکَیْن یا شُرَکَاء سے مختلف ہے' ان کے مابین سرمائے کا اشتراک ہوتا ہے نہ نفع کا' صرف اپنی سہولت اور بچت کے لیے وہ مل کر' الگ الگ باڑوں کی بجائے' ایک ہی باڑہ بنا لیتے ہیں جہاں دونوں یا سب کے جانور رات گزار لیتے ہیں۔ الگ الگ چرواہے کی بجائے' ایک ہی چرواہا رکھ لیتے ہیں جو ان سب کو ایک ہی جگہ چرانے کے لیے لے جاتا اور واپس لے آتا ہے' نسل کشی کے لیے سب' نرَ بھی ایک رکھ لیتے ہیں جس سے ان کا گزارہ ہو جاتا ہے' جب کہ عمروں یا قدو قامت یا رنگوں کے اعتبار سے سب جانوروں کی الگ الگ پہچان ہوتی ہے۔ اس میں ظاہر بات ہے کہ ان کے اخراجات میں کافی بچت ہو جاتی ہے۔

مذکورہ حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زکوٰۃ میں ان دو خلیطوں یا زیادہ خلیطوں کے مال کو شریکوں کی طرح' ایک ہی مال متصور کر کے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اس میں خلیطوں کو فائدہ ہو یا نقصان' وہ اس مخلوط مال کو محض زکوٰۃ دینے کے وقت الگ الگ کریں نہ الگ الگ مال کو اکٹھا کریں۔ بلکہ سب کے مجموعی مال میں جتنی زکوٰۃ عائد ہوتی ہے' وہ ادا کریں۔ اور اس کے بعد پھر اس زکوٰۃ کو آپس میں اپنے مویشوں کے حساب سے تقسیم کر لیں۔ جیسے دو خلیطوں کے مویشی مخلوط ہیں' دونوں کی ۲۰' ۲۰ بکریاں ہیں۔ علیحدہ علیحدہ ہونے کی صورت میں تو ان میں کسی پر زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی' لیکن دونوں کی بکریاں مل کر چونکہ

نصاب کو پہنچ جاتی ہیں۔ اس لیے ایک بکری زکوٰۃ میں دینی پڑے گی۔ اب جس کے مال میں سے ایک بکری بطور زکوٰۃ کے جائے گی' وہ اپنے خلیط سے بکری کی آدھی قیمت وصول کر لے گا۔ اسی طرح خلطاء کو بعض دفعہ فائدہ ہو سکتا ہے' مثلاً تین خلیط ہوں' ہر ایک کی چالیس چالیس بکریاں ہوں' یوں ۱۲۰ بکریاں مخلوط ہوں' تو سال گزرنے کے بعد ان میں صرف ایک بکری بطور زکوٰۃ کے جائے گی۔ دو بکریوں کی بچت ہو جائے گی' جس کے مال میں سے بکری جائے گی' وہ اپنے دو خلیطوں سے اپنی بکری کی دو تہائی ۲/۳ قیمت وصول کر لے گا۔ دو خلیط ہوں' ایک کی ۴۰ اور دوسرے کی ۲۰ بکریاں ہوں' ۶۰ بکریوں میں ایک بکری بطور زکوٰۃ کے جائے گی' اب اگر وہ بکری ۲۰ بکریوں کے مالک کی ہو گی تو وہ اپنے ساتھی سے بکری کی دو تہائی ۲/۳ اور اگر وہ چالیس والے کی ہو گی' تو وہ اپنے ساتھی سے بکری کی ایک تہائی ۱/۳ قیمت وصول کرے گا۔ اس صورت میں ایک خلیط کو کچھ فائدہ اور دوسرے کو کچھ نقصان ہو گا۔ یہ اصول نبی ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے۔

«وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بَالسَّوِيَّةِ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب لا يجمع بين مفترق ....، ح:١٤٥١)

"اور جو خلیطوں کے مال سے ہو' تو وہ دونوں آپس میں برابری کے ساتھ ایک دوسرے سے رجوع کریں گے۔"

یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد' فائدے اور نقصان سے قطع نظر' سارے خلطاء اپنی اپنی بکریوں کی تعداد کے حساب سے اس کی قیمت آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

مذکورہ وضاحت کی روشنی میں جمع و تفریق کی یہ ممانعت ارباب اموال کے لیے ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو زیادہ واضح بھی کہا ہے۔ لٰكِنِ الَّذِیْ يَظْهَرُ اَنَّ حَمْلَهُ عَلَى الْمَالِكِ اَظْهَرُ' وَاللّٰه اَعْلَم (فتح الباری' ۳۹۶/۳) تاہم امام شافعی نے کہا ہے کہ اپنے اپنے اعتبار سے اس کے مخاطب دونوں ہی ہیں صاحب مال بھی اور زکوٰۃ وصول کرنے والا بھی۔ ان میں سے ہر ایک کو یہ حکم ہے کہ وہ زکوٰۃ کے نقطہ نظر سے جمع و تفریق نہ کرے' صاحب مال ایسا اس خوف سے نہ کرے کہ زکوٰۃ عائد نہ ہو اور زکوٰۃ وصول کرنے والا یہ سوچ کر ایسا نہ کرے

کہ زکوٰۃ زیادہ وصول ہو۔ (حوالۂ مذکور)

اس اعتبار سے عاملین زکوٰۃ (زکوٰۃ وصول کرنے والے سرکاری کارندوں) کو مالکوں پر ظلم و جبر کرنے سے روک دیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ زیادہ بنانے کے لیے زبردستی متفرق جانوروں کو اکٹھا' یا مجتمع جانوروں کو متفرق نہ کریں' بلکہ ارباب مال جس طرح وضاحت کریں' اسے تسلیم کرکے اس کے مطابق زکوٰۃ وصول کریں۔ اسی طرح ارباب اموال کو تاکید کر دی کہ وہ بھی زکوٰۃ سے بچنے یا اسے کم کرنے کے لیے حیلہ سازی سے کام نہ لیں اور اس غرض سے زکوٰۃ کے موقعے پر جمع و تفریق نہ کریں' بلکہ سارا سال مویشیوں کی جو صورت حال رہی ہے' اسے برقرار رکھیں اور اس میں تبدیلی نہ کریں۔

سال کے دوران ہونے والے بچوں کا حکم: اونٹ' گائے اور بکریاں' ان کے دوران سال ہونے والے بچے بھی سال کے اختتام پر زکوٰۃ دیتے وقت شمار کیے جائیں گے اور ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اسی کے مطابق مذکورہ جانوروں کے بچوں کی بھی زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا۔

(فقه السنة ۳۱۲/۱)

اَوقاص کا حکم: اَوقاص' وَقص کی جمع ہے۔ دو نصابوں کی درمیانی تعداد کو وقص کہا جاتا ہے اس میں بالاتفاق زکوٰۃ معاف ہے جیسے اونٹوں کے نصاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب اونٹ پچیس ہو جائیں' تو ان میں ایک بنت مخاض مادہ ہے اور جب وہ چھتیس ہو جائیں' تو ۴۵ تک ان میں ایک بنت لبون مادہ ہے۔"

یہ ۲۵ سے لے کر ۳۵ تک کی درمیانی تعداد وقص ہے جس میں زکوٰۃ نہیں۔ یہ تعداد ۳۶ ہو گی تو پھر زکوٰۃ عائد ہو گی۔

گایوں کا نصاب بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"جب گائیں ۳۰ ہو جائیں' تو ان میں ایک (یک سالہ) بچھڑا یا بچھڑی اور چالیس پر ایک مُسِنّہ' پھر ستر پر ایک بچھڑا اور ایک مُسِنّہ اور ۸۰ گایوں پر دو مسنے اور پھر اسی حساب سے ہر ۳۰ پر ایک بچھڑا اور ہر چالیس پر ایک مُسِنّہ۔"

(الروضة الندية شرح الدرر البهية' طبع جديد' ۴۶۷/۱)

اس میں ۳۱ سے ۳۹ تک کی تعداد وقص ہے' اسی طرح ۴۱ سے ۶۹ تک وقص ہے جس میں زکوٰۃ نہیں۔

بکریوں کے نصاب میں نبی ﷺ نے بیان فرمایا:

''چالیس بکریوں میں ایک بکری۔ پھر ایک سو بیس تک یہی شرح یعنی ایک بکری ہو گی۔ ۱۲۱ سے دو سو تک دو بکریاں' ۲۰۰ سے ۳۰۰ تک تین بکریاں۔''

ان میں دو نصابوں کی درمیانی تعداد' وقص ہے جس میں زکوٰۃ نہیں۔ پہلے نصاب کے مطابق زکوٰۃ ہو گی' جب تک وہ دوسرے نصاب کی تعداد کو نہ پہنچ جائیں۔

(۳) سونا' چاندی اور نقدی کا نصاب

اموالِ زکوٰۃ کی تیسری قسم سونا' چاندی اور نقدی ہے۔ ان کی بابت بھی پہلے احادیث میں گزر چکا ہے کہ جس کے پاس سونا چاندی ہو اور وہ اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرتا' تو قیامت کے دن انہیں چوڑی چوڑی سلاخوں یا تختوں میں تبدیل کر کے اور انہیں جہنم کی آگ میں گرم کر کے ان سے ان کے مالکوں کی پیشانیاں' ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا اور یہ عمل صرف ایک مرتبہ ہی نہیں ہو گا' بلکہ محشر کے پچاس ہزار سال کے برابر دن میں مسلسل یہ عمل جاری رہے گا' جب بھی یہ تختے اور سلاخیں ٹھنڈی ہو جائیں گی' انہیں گرم کیا جاتا اور ان سے انہیں داغا جاتا رہے گا۔ (صحیح مسلم) قرآن کریم میں بھی یہ وعید ان لوگوں کے لیے بیان ہوئی ہے جو سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ (سورۃ التوبہ:۹/ ۳۴' ۳۵)

اور ایک حدیث میں مطلق مال کا ذکر ہے کہ جسے اللہ مال سے نوازے' پھر وہ اس میں سے زکوٰۃ ادا نہ کرے' تو قیامت کے دن اس مال کو نہایت خطرناک زہریلے سانپ کی شکل میں بنا کر اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا' جو اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال اور تیرا خزانہ ہوں۔ (یہ ساری احادیث پہلے گزر چکی ہیں) مطلق مال میں سونے چاندی کے علاوہ' نقدی' سامان تجارت وغیرہ بھی آ جاتے ہیں جو آج کل مال کی معروف صورت ہے' ان میں زکوٰۃ ضروری ہے۔ ان میں زکوٰۃ عائد ہونے کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں:

ایک یہ کہ وہ نصاب کو پہنچ جائیں۔

دوسری یہ کہ ان پر سال گزر جائے۔

ان کی ضروری تفصیل حسب ذیل ہے:

چاندی کا نصاب: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَّحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، ح:١٥٧٣)

"جب تیرے پاس دو سو درہم ہو جائیں اور ان پر سال بھی گزر جائے' تو ان میں پانچ درہم زکوٰۃ ہیں۔"

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب ما أدي زكاته فليس بكنز، ح:١٤٠٥)

"پانچ اُوقیے سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ وسق (تین سو صاع' تقریباً ۲۰ من غلے) سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔"

صحیح بخاری کی حدیث میں اوقیے کا لفظ استعمال ہوا ہے' جو چاندی کا ایک سکہ تھا' ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا' یوں پانچ اوقیے' دو سو درہم ہو گئے۔ ان دونوں حدیثوں سے چاندی کا نصاب دو سو درہم ثابت ہوا' جس کا وزن ساڑھے باون تولہ ہوا۔ آج کل کے حساب سے ۶۱۸ گرام ۱۸۲ ملی گرام۔

اس میں زکوٰۃ چالیسواں حصہ (ڈھائی فیصد) ہے۔ یعنی دو سو درہم میں پانچ درہم۔ آج کل کے حساب سے ۱۵ گرام ۴۵۴½ ملی گرام' (اگر چاندی ہی زکوٰۃ میں دینی ہو۔) لیکن اگر زکوٰۃ چاندی کی بجائے نقدی میں دینی ہو' تو ساڑھے باون تولہ چاندی کی جتنی رقم بنتی ہو (مثلاً اتنی چاندی ۶ ہزار روپے میں آتی ہو تو) ڈھائی فی صد کے حساب سے ۶ ہزار میں ڈیڑھ سو روپے زکوٰۃ بنے گی۔

یہ کم از کم نصاب ہے یعنی اس سے کم میں زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی۔ اس سے زیادہ جتنی چاندی ہو گی مذکورہ حساب سے اس کی رقم بنا کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔

سونے کا نصاب: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث میں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ يَعْنِي فِي الذَّهَبِ، حَتَّى تَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا، فَإِذَا كَانَتْ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا وَّحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا نِصْفُ دِيْنَارٍ، فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ» (سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، ح: ١٥٧٣)

''اور سونے میں تجھ پر کچھ نہیں' جب تک کہ وہ ۲۰ دینار نہ ہو جائیں' پس جب وہ ۲۰ دینار ہو جائیں اور ان پر سال گزر جائے تو ان میں نصف دینار زکوٰۃ ہے' پس جو اس سے زیادہ ہو تو اسی حساب سے زکوٰۃ ہوگی۔''

اس روایت کی سند پر کچھ گفتگو ہے' لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور دیگر بعض محققین نے متابعات و شواہد کی بنیاد پر اسے حسن قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی ارواء الغلیل (۲۸۹/۳) میں بعض احادیث و آثار اور ان کے شواہد بیان کیے ہیں' جن سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ سونے کے نصاب کے لیے مذکورہ حدیث صحیح بنیاد ہے۔

ایک دینار کا وزن ہے: ۴/۲۵ گرام

۵ دینار کا وزن: ۲۱/۲۵ گرام

۲۰ دینار کا وزن: ۸۵ گرام۔

یہ سونے کا نصاب ہے' چاہے ڈلی ہو یا زیورات کی شکل میں۔ (الروضة الندية (حاشيه) ۴۲۷/۱ بحواله ''الاموال فی دولة الخلافة'' عبدالقديم زلوم)

اس میں چالیسواں حصہ (ربع العشر) زکوٰۃ ہے' یعنی ۲۰ دینار میں نصف دینار (۲ ماشہ ۲ رتی' یا دو گرام ۱۸۷ ملی گرام) چالیس دینار میں ایک دینار۔ دوسرا طریقہ زکوٰۃ نکالنے کا یہ ہے کہ جب سونا ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ دیتے وقت فی تولہ سونے کی قیمت معلوم کر لی جائے اور جتنی رقم بنے اس میں سے ڈھائی فیصد (فی ہزار' ۲۵ روپے) کے حساب سے زکوٰۃ ادا کر دے۔

جواہر میں زکوٰۃ نہیں: جواہر یعنی موتی' یاقوت' زمرد' الماس اور مرجان وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں' جیسے لوہے' تانبا' پیتل اور سیسہ وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں۔ البتہ ان کی تجارت سے جو مال حاصل ہوگا' اس میں شرائط کے مطابق زکوٰۃ ہوگی۔

نقدی کا نصاب: آج کل بالعموم لوگوں کے پاس سونا چاندی کی بجائے نقدی کی صورت میں رقم ہوتی ہے۔ اس صورت میں زکوٰۃ کس طریقے سے نکالی جائے؟ اس کے لیے علماء نے چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا ہے اور صدیوں سے علماء کے مابین نقدی کے لیے یہی نصاب تسلیم ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس اتنی نقد رقم ایک سال تک فاضل بچت کے طور پر محفوظ رہی ہے۔ جو ۵۲ ½ تولہ چاندی کی قیمت کے مساوی ہے' تو اس کو چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالنی چاہیے۔ مثلاً آج کل کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم کم و بیش تقریباً چھ ہزار روپے بنتی ہے' اس لیے نقدی کا نصاب چھ ہزار روپے ہو گا۔ جس شخص کے پاس چھ ہزار روپے ایک سال فالتو پڑے رہے ہوں' اسے چاہیے کہ وہ اس کی زکوٰۃ ڈھائی فیصد کے حساب سے ۲۵ روپے فی ہزار (٦ ہزار کے ۱۵۰ روپے) زکوٰۃ نکالے۔ اس سے زیادہ جتنی رقم ہو' وہ ڈھائی فیصد یا ۲۵ روپے فی ہزار کے حساب سے نکالے۔ ٦ ہزار سے کم رقم والے پر زکوٰۃ عائد نہ ہو گی۔

بعض علماء کے نزدیک نقد رقم کی زکوٰۃ کے لیے سونے کا نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت ہے۔ اس حساب سے نقد رقم کا نصاب ٦ ہزار کی بجائے ۴۵'۴٦ ہزار روپے ہو گا۔ اس سے کم رقم پر زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی۔

رکاز (دفینے) میں خمس ہے: رکاز کے معنی چھپانے کے ہیں' انسان کو کوئی چھپا ہوا خزانہ یعنی دفینہ مل جائے' تو جس وقت ملے' اسی وقت اس میں سے ۵ فی صد زکوٰۃ نکال دے' اس میں زکوٰۃ کی مقدار اس لیے زیادہ ہے کہ یہ بغیر محنت کے حاصل ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب في الركاز الخمس، ح: ١٤٩٩)

"رکاز (دفینے) میں پانچواں حصہ ہے۔"

مَعَادِن (کانوں) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں' اس لیے کانوں سے نکلنے والی چیزوں میں زکوٰۃ نہیں۔ البتہ اس کی آمدنی پر بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائے اور

سال گزر جائے' تو زکوٰۃ ہے۔

دو نصابوں کو ملا کر نصاب بنانا؟: اگر ایک شخص کے پاس سونا چاندی دونوں چیزیں ہوں' لیکن دونوں نصاب سے کم ہوں (یعنی سونا ۷½ تولہ سے کم اور چاندی ۵۲½ تولہ سے کم ہو) اس صورت میں اس پر زکوٰۃ عائد ہو گی یا نہیں؟ ایسے شخص کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کے خیال میں ایسے شخص کو دونوں چیزیں ملا کر اگر نصاب کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ نکالنی چاہیے۔ اہلحدیث علماء میں مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب محدث روپڑی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے۔ تاہم دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ جب تک اپنے اپنے طور پر ہر چیز نصاب کو نہ پہنچ جائے' اس میں زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی۔ دو مختلف چیزوں کو ملا کر نصاب بنانے کی صراحت کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اس لیے مختلف چیزوں کو ملا کر نصاب بنانا شرعاً صحیح نہیں' عام علماء اہلحدیث اسی مسلک کو زیادہ صحیح اور راجح سمجھتے ہیں۔

زیور کی زکوٰۃ: سونا چاندی کے زیور کی زکوٰۃ میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ بعض علماء اس میں زکوٰۃ کی فرضیت کے قائل نہیں' جب کہ علماء اہلحدیث کی اکثریت زیور میں زکوٰۃ کی قائل ہے اور احتیاط کے لحاظ سے بھی یہی مسلک زیادہ صحیح ہے۔ زیور کی زکوٰۃ دونوں طریقوں سے نکالی جا سکتی ہے۔ زیور میں سے چالیسواں حصہ سونا یا چاندی بطورِ زکوٰۃ نکال دی جائے یا چالیسویں حصے کی قیمت ادا کر دی جائے' دونوں طرح جائز ہے۔ تاہم کسی کے پاس اگر حد نصاب (۷½ تولہ سونا یا چاندی ۵۲½ تولہ) سے کم زیور ہے' تو اس پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

(۴) مالِ تجارت کی زکوٰۃ

اموالِ زکوٰۃ کی چوتھی قسم اموالِ تجارت ہیں۔ یعنی جو سامان بھی تجارت کے لیے ہو اس میں سے زکوٰۃ نکالی جائے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها زكاة؟، ح: ١٥٦٢)

"رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم ہر اس سامان میں سے زکوٰۃ نکالیں' جو تجارت کے لیے تیار کریں۔"

یہ روایت سنداً ضعیف ہے' اس لیے بعض اہل علم نے سامان تجارت میں زکوٰۃ کے عائد ہونے کی نفی کی ہے' لیکن علماء کی اکثریت نے سامان تجارت کو اموال ہی میں شمار کر کے تجارتی سامان میں بھی زکوٰۃ کا اثبات کیا ہے اور یہی بات راجح ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ائمہ اربعہ اور ساری امت کا (سوائے چند شاذ لوگوں کے) اس بات پر اتفاق ہے کہ سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے --- خواہ تاجر مقیم ہوں یا مسافر' ارزانی کے وقت سامان خرید کر نرخوں کے گراں ہونے کا انتظار کرنے والے تاجر ہوں--- تجارت کا مال نئے یا پرانے کپڑے ہوں' یا کھانے پینے کا سامان --- ہر قسم کا غلہ' پھل فروٹ' سبزی' گوشت وغیرہ--- مٹی' چینی دھات وغیرہ کے برتن ہوں یا جاندار چیزیں غلام' گھوڑے' خچر اور گدھے وغیرہ--- گھر میں پلنے والی بکریاں ہوں یا جنگل میں چرنے والے ریوڑ' غرض تجارت کے ہر قسم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے۔ علاوہ ازیں شہری اموالِ تجارت بیشتر اموالِ باطنہ ہیں' جبکہ (مویشی) جانوروں کی اکثریت اموالِ ظاہرہ ہیں۔" (القواعد النورانیہ الفقہیہ' ص:۸۹-۹۰ طبع مصر)

مالِ تجارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ: اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ سال بسال جتنا تجارتی مال دکان' مکان یا گودام وغیرہ میں ہو' اس کی قیمت کا اندازہ کر لیا جائے۔ علاوہ ازیں جتنی رقم گردش میں ہو اور جو رقم موجود ہو' اس کو بھی شمار کر لیا جائے۔ نقد رقم' کاروبار میں لگا ہوا (یعنی زیرِگردش) سرمایہ اور سامانِ تجارت کی تخمینی قیمت' سب ملا کر جتنی رقم ہو' اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔

تاہم کوئی تجارتی مال اس طرح کا ہے کہ وہ اکٹھا خریدا' پھر وہ سال یا دو سال فروخت نہیں ہوا' تو اس مال کی زکوٰۃ اس کے فروخت ہونے پر صرف ایک سال کی ادا کی جائے گی۔ ورنہ عام مال جو دکان میں فروخت ہوتا رہتا ہے اور نیا اسٹاک آتا رہتا ہے' وہاں چونکہ فرداً فرداً ایک ایک چیز کا حساب مشکل ہے' اس لیے سال بعد سارے مال کی بہ حیثیت مجموعی قیمت کا اندازہ کر کے زکوٰۃ نکالی جائے۔

اگر کوئی رقم کسی کاروبار میں منجمد ہو گئی ہو' جیسا کہ بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے اور وہ رقم دو تین سال یا اس سے زیادہ دیر تک پھنسی رہتی ہے' یا کسی ایسی پارٹی کے ساتھ آپ کو سابقہ پیش آ جاتا ہے کہ کئی سال آپ کو رقم وصول نہیں ہوتی تو ایسی ڈوبی ہوئی رقم کی زکوٰۃ سال بہ سال دینی ضروری نہیں۔ جب رقم وصول ہو جائے' اس وقت ایک سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے' وہ جب بھی وصول ہو۔

مالِ مستفاد کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَفَادَ مَالاً فَلاَ زَكٰوةَ عَلَيْهِ حَتَّى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ عِنْدَ رَبِّهٖ»(جامع الترمذي، الزكاة، باب۱۰، ح: ٦٣٢، وانظر الإرواء: ۳/ ۲٥٤ ـ ۲٥۸)

''جس کو مالِ مستفاد ملا' تو اس میں زکوٰۃ نہیں' یہاں تک کہ اس میں اس کے مالک کے پاس سال گزر جائے۔''

مالِ مستفاد کا مطلب' زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد' دوران سال حاصل ہونے والا مال ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) مالِ مستفاد اس کے پاس موجود مال کا نفع اور اسی کا ثمرہ ہو۔ جیسے تجارت کے ذریعے سے حاصل ہونے والا نفع' یا جانوروں سے دورانِ سال ہونے والے بچے۔ سال پورا ہونے پر یہ نفع اور جانوروں کے بچے بھی شامل ہوں گے' ان کا الگ حساب نہیں ہو گا۔ جیسے پہلے مثلاً اس نے ۱۰ ہزار روپے کی زکوٰۃ دی تھی سال پورا ہونے تک اس کے پاس ۱۰ کی بجائے ۱۵ یا ۲۰ ہزار روپے ہو گئے' اب اسے ۱۵ یا ۲۰ ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی اسی طرح مثلاً اس نے پہلے ایک بکری زکوٰۃ میں دی تھی' کیونکہ اس کے پاس ۱۲۰ یا اس سے کچھ زائد تھیں' آئندہ سال پورا ہونے تک بچے ملا کر دو سو بکریاں ہو گئیں' تو اب اسے دو بکریاں زکوٰۃ کے طور پر دینی پڑیں گی۔ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

(۲) مالِ مستفاد اسی جنس سے ہو جس جنس کی اس نے پہلے زکوٰۃ ادا کی۔ لیکن دورانِ سال ملنے والا یہ مال اس مال کا نفع یا اس کے پاس موجود جانوروں سے تولد پذیر ہونے والا نہ ہو۔ بلکہ اس نے الگ سے یہ مال خریدا ہو' یا ورثے یا ہبے میں اسے ملا ہو۔ اس کی بابت بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اسے بھی پہلی صورت کی طرح پچھلے مال سے ملا دیں گے اور سال پورا ہونے پر سب کی زکوٰۃ نکالیں گے۔ لیکن یہ رائے صحیح نہیں۔ دوسری صورت کا یہ مال چونکہ پہلے مال کا نفع یا نتیجہ نہیں' بلکہ اس کی الگ مستقل حیثیت ہے۔ اس لیے اس پر زکوٰۃ اس وقت عائد ہو گی جب اس پر الگ سال گزرے گا۔ مذکورہ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۳) مالِ مستفاد' اس کے پاس موجود مال کی جنس سے نہ ہو۔ مثلاً اس کے پاس بکریاں تھیں' جن کی اس نے زکوٰۃ ادا کر دی تھی' اب ۶' ۷ مہینے کے بعد اسے کچھ اونٹ یا گائیں مل گئی ہیں۔ اگر ملنے والا یہ مال اتنی تعداد میں ہے کہ وہ زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جاتا ہے' تو اس کی زکوٰۃ اس کا سال الگ پورا ہونے پر ادا کی جائے گی۔ پہلے مال کے ساتھ ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان آخری دونوں صورتوں میں مذکورہ حدیث کا انطباق ہوتا ہے۔ یہاں دونوں صورتوں میں صاحب مال اپنی خوشی سے پہلے مال کے ساتھ ہی ان کی بھی زکوٰۃ ادا کر دیتا ہے' تو بات اور ہے' خوشی سے بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا مرغوب اور پسندیدہ ہی ہے۔ تاہم شرعاً وہ ایسا کرنے کا پابند نہیں ہے۔

باب : سوم

مصارفِ زکوٰۃ کا بیان

گزشتہ صفحات میں زکوٰۃ کے ضروری مسائل بیان ہوئے۔ اب ایک اہم مسئلہ مصارفِ زکوٰۃ کا ہے، یعنی زکوٰۃ کے مستحق کون کون لوگ ہیں؟ یا زکوٰۃ کہاں کہاں خرچ ہو سکتی ہے؟ یہ مسئلہ اس لیے بہت اہم ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حکومت کو زکوٰۃ کے علاوہ کوئی ٹیکس لگانے کا حق نہیں ہے، حکومت صرف زکوٰۃ وصول کرے اور اسی سے اپنے اخراجات بھی پورے کرے اور ترقیاتی کام بھی اسی رقم سے کرے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اَعْطِنِیْ مِنَ الصَّدَقَةِ ”مجھے زکوٰۃ میں سے کچھ دیں۔“ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَّلاَ غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتَّى حَكَمَ فِيْهَا هُوَ فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ حَقَّكَ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب من يعطى من الصدقة وحد الغنى، ح: ١٦٣٠)

”اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ (کی تقسیم) کے بارے میں یہ پسند نہیں فرمایا کہ اس کا فیصلہ کوئی پیغمبر یا کوئی اور کرے، بلکہ اس کی بابت اس نے خود ہی فیصلہ فرمایا ہے اور اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے (یعنی آٹھ مصارف بیان اور متعین کر دیے ہیں) پس اگر تو ان آٹھ حصوں (مصارف) میں سے کسی میں آتا ہے، تو میں تجھے تیرا حق دے دیتا ہوں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں۔ زکوٰۃ کو ان مصارف کے علاوہ دیگر مدّات میں خرچ نہیں کیا جا سکتا یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے تاہم اسے صرف اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صحیح ہے۔ زکوٰۃ کے مصارف

آٹھ ہی ہیں اور وہ قرآن میں مذکور ہیں۔ گویا اس حدیث میں وہی بات بیان کی گئی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ یہ آٹھ اجزاء یا مصارف کون کون سے ہیں؟ ذیل کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلصَّدَقَـٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَٱلْمَسَـٰكِينِ وَٱلْعَـٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَٱلْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِى ٱلرِّقَابِ وَٱلْغَـٰرِمِينَ وَفِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٦٠)

"زکوٰۃ کے مستحق صرف فقراء' مساکین' عاملینِ زکوٰۃ اور مؤلفۃ القلوب ہیں' نیز یہ گردنوں کے چھڑانے میں' قرض داروں کی مدد کرنے میں' اللہ کی راہ میں اور مسافر نوازی میں خرچ ہو سکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا' بڑا حکمت والا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں کہ یہ آٹھ جگہیں ہیں جہاں مسلمان اپنی زکوٰۃ کی رقم خرچ کر سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ زکوٰۃ کی رقم تھوڑی تھوڑی کر کے آٹھوں جگہوں پر تقسیم کی جائے (جیسا کہ بعض ائمہ کا خیال ہے) بلکہ حسب ضرورت ان میں سے ہر ایک پر پوری رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ جمہور علمائے امت اسی موقف کے حامی ہیں۔ مختصراً ان آٹھ مصارف کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) فقراء | فقراء فقیر کی جمع ہے۔ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہو' اپاہج یا معذور یا مستقل بیمار ہونے کی وجہ سے یا کثیر العیال ہونے اور آمدنی تھوڑی ہونے کی وجہ سے۔ چاہے اس کے پاس رہائش کے لیے اپنا گھر' سواری کے لیے کوئی جانور یا آج کل کے اعتبار سے سائیکل وغیرہ اور اسی طرح صنعتی اوزار و آلات اس کے پاس موجود ہوں لیکن اگر اس کی آمدنی اس کی اور اس کے بال بچوں کی کفایت نہ کرتی ہو' تو اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

(۲) مساکین | مساکین' مسکین کی جمع ہے۔ یہ بھی فقیر ہی کی طرح تنگدست' محتاج یا کثیر العیال ہو۔ تاہم اس کے متعلق اکثر علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد

وہ شخص ہے جو فقیر سے بھی زیادہ محتاج اور بے بس ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقیر کو تو لوگوں سے سوال کرنے اور در در جا کر بھیک مانگنے سے بھی گریز نہیں ہوتا۔ جب کہ مسکین میں غربت و ناداری کے باوجود اپنی عزت نفس اور وقار کا احساس ہوتا ہے اور وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی، لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنا گوارا نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں اپنی حالت بھی مسکین اور عاجزوں والی بنا کر نہیں رکھتا کہ لوگ اس کی حالت زار کو دیکھ کر ازخود ہی اس کی امداد کر دیں۔

اس اعتبار سے اس میں وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں جنہیں آج کل سفید پوش کہا جاتا ہے جو اپنی سفید پوشی کا بھرم قائم رکھنے کے لیے تنگی ترشی کے ساتھ اپنا وقت پاس کر لیتے ہیں لیکن کسی سے اپنی تکلیف کا ذکر کرتے ہیں نہ ایسا بھیس ہی بناتے ہیں جو ان کی عسرت و ناداری کا غماز ہو اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے مسکین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

«لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِي يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ، تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِي لاَ يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ، وَلاَ يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلاَ يَقُوْمُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ» (صحيح البخاري، الزكاة، باب: ٥٣، ح: ١٤٧٩)

”مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں (کے گھروں) کا طواف کرتا ہے اور لقمہ اور دو لقمے اور کھجور اور دو کھجوریں لے کر لوٹ جاتا ہے۔ لیکن مسکین تو وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جو اسے کفایت کر جائے (اور وہ اسے لوگوں سے بے نیاز کر دے) اور نہ ظاہری حالت سے وہ پہچانا جائے کہ صدقہ و خیرات سے اسے نوازا جائے اور نہ وہ خود کھڑا ہو کر لوگوں سے سوال کرے۔“

متعفف علماء و طلبائے علوم دینیہ : قرآنِ کریم سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فقراء و مساکین میں وہ لوگ سرفہرست ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیں، اللہ کے دین کی خاطر اپنا گھر بار اور کاروبار ترک کر دیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کے سامنے

دست طلب دراز نہ کریں۔ ایسے خوددار' اور متعفف ضرورت مند علماء و طلبائے علوم دینیہ کی امداد (آبرو مندانہ طریقے سے) بہت ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ ٱلَّذِينَ أُحْصِرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِى ٱلْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ ٱلْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ ٱلتَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُونَ ٱلنَّاسَ إِلْحَافًا ﴾ (البقرة ۲/ ۲۷۳)

''خیرات ان فقیروں کے لیے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں' چل پھر نہیں سکتے ملک میں۔ سمجھے ان کو ناواقف مال دار ان کے سوال نہ کرنے سے' تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے سے وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔''

نبی کریم ﷺ نے بھی مسکین کی تعریف میں اس آیت کا حوالہ دیا ہے' جیسا کہ حدیث میں ہے۔

«إِنَّمَا الْمِسْكِيْنُ الَّذِي يَتَعَفَّفُ، اقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ، يَعْنِيْ قَوْلَهُ تَعَالٰى ﴿ لَا يَسْـَٔلُونَ ٱلنَّاسَ إِلْحَافًا ﴾(صحيح البخاري، التفسير، ح:٤٥٣٩)

''مسکین تو وہ ہے جو سوال کرنے سے بچتا ہے' اگر چاہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ لو وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔''

مذکورہ بالا آیت و حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جو علماء و طلباء اپنے آپ کو علم دین کے سکھانے اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیں اور کاروباری مصروفیتوں پر تعلیم و تعلّم کو ترجیح دیں' ان کی حاجات و ضروریات بھی زکوٰۃ کی مد سے پوری کی جا سکتی ہیں۔ اور ان کی علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے دینی و علمی کتابیں بھی اس فنڈ ہی سے خرید کر انہیں دی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ زمانہ حال کے ایک مصری فاضل علامہ یوسف القرضاوی نے بھی اپنی کتاب ''فقہ الزکوٰۃ'' میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے' چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

«فَإِذَا مَا تَفَرَّغَ لِطَلَبِ عِلْمٍ نَافِعٍ وَتَعَذَّرَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْكَسْبِ وَطَلَبِ الْعِلْمِ فَإِنَّهُ يُعْطٰى مِنَ الزَّكَاةِ قَدْرَ مَا يُعِيْنُهُ عَلٰى أَدَاءِ مُهِمَّتِهِ وَمَا يُشْبِعُ حَاجَاتِهِ وَمِنْهَا كُتُبُ الْعِلْمِ الَّتِي لَابُدَّ مِنْهَا لِمَصْلَحَةِ دِيْنِهِ

وَدُنْيَاهُ وَإِنَّمَا أُعْطِيَ طَالِبُ الْعِلْمِ لأَنَّهُ يَقُوْمُ بِفَرْضِ كِفَايَتِهِ وَلأَنَّ فَائِدَةَ عِلْمِهِ لَيْسَتْ مَقْصُوْرَةً عَلَيْهِ بَلْ هِيَ لِمَجْمُوْعِ الأُمَّةِ، فَمِنْ حَقِّهِ أَنْ يُّعَانَ مِنْ مَّالِ الزَّكَاةِ لأَنَّهَا لأَحَدِ رَجُلَيْنِ، إِمَّا لِمَنْ يَّحْتَاجُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ أَوْ لِمَنْ يَّحْتَاجُ إِلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ، وَهٰذَا قَدْ جَمَعَ بَيْنَ الأَمْرَيْنِ» (فقه الزكاة: ٢/ ٥٦٠-٥٦١)

''اگر کوئی شخص علم نافع کی طلب میں لگا ہوا ہے اور حصولِ علم کے ساتھ وہ کسب حلال نہ کر سکتا ہو' تو اسے بقدر ضرورت زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اور اس کے فریضۂ حصولِ علم کی تکمیل کے لیے کتابوں کے لیے بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اس لیے کہ طلب علم دین فرض کفایہ ہے اور اس کے علم کا فائدہ خود اس تک محدود نہیں ہے' بلکہ تمام امت کے لیے ہے اور یہ اس کا حق بنتا ہے کہ مالِ زکوٰۃ میں سے اس کی مدد کی جائے' کیونکہ زکوٰۃ کے مصارف کے دو پہلو ہیں کہ یا تو مسلمانوں میں جو محتاج ہو اسے دی جائے یا جس سے مسلمانوں کی ضرورت وابستہ ہو اسے دی جائے اور یہاں دونوں باتیں جمع ہیں۔'' (اُردو ترجمہ: فقہ الزکاۃ' ج:۲' ص:۳۲' طبع: دوم' ۱۹۸۴ء)

آگے چل کر فاضل مصنف علامہ یوسف القرضاوی علم نافع کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے تحریر کیا ہے کہ جو شخص اپنے تمام اوقات حصولِ علم میں لگائے ہو' اسے زکوٰۃ دی جائے گی۔ جب کہ جو شخص اپنے تمام اوقات عبادت میں لگا دے تو اسے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔ اس لیے کہ اسلام میں عبادت کے لیے تمام اوقات لگانے کی ضرورت نہیں ہے جب کہ حصولِ علم میں جملہ اوقات کھپانے کی حاجت ہے۔ نیز یہ کہ عابد کی عبادت اس کی ذات کے لیے ہوتی ہے اور عالم کے علم سے سب لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ فقہاء نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ تنگ دست طالب علم کو مد زکوٰۃ میں سے کتب علم لینا جائز ہے اور اس میں دین اور دنیا دونوں کی مصلحت ہے۔'' (فقہ الزکوٰۃ' اردو' ۲/ ۴۴' بحوالہ المجموع ۶/ ۱۹۰- الانصاف فی الفقہ الحنبلی

۳/۱۶۵، ۲۱۸)

اسی نقطۂ نظر سے جس کی وضاحت "فقہ الزکوٰۃ" کے مصنف حفظہ اللہ نے کی ہے، نواب صدیق حسن خان نے بھی فی سبیل اللہ کے مفہوم میں علماء دین کو شامل کیا ہے، چاہے وہ مال دار ہی ہوں اور کہا کہ ان پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا نہ صرف جائز ہے، بلکہ بہتر ہے، کیونکہ ان کے ذریعے ہی سے دین اسلام کا تحفظ اور شریعت کی بقا ممکن ہے۔ ان کے اصل الفاظ حسب ذیل ہیں:

«وَمِنْ جُمْلَةِ سَبِيْلِ اللهِ، الصَّرْفُ فِي الْعُلَمَاءِ الَّذِيْنَ يَقُوْمُوْنَ بِمَصَالِحِ الدِّيْنِيَّةِ، فَإِنَّ لَهُمْ فِي مَالِ اللهِ نَصِيبًا، سَوَاءً كَانُوْا أَغْنِيَاءَ أَوْ فُقَرَاءَ، بَلِ الصَّرْفُ فِي هٰذِهِ الْجِهَةِ مِنْ أَهَمِّ الأُمُوْرِ، لأَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَحَمَلَةُ الدِّيْنِ، وَبِهِمْ تُحْفَظُ بَيْضَةُ الإِسْلَامِ وَشَرِيْعَةُ سَيِّدِالأَنَامِ . . . » (الروضة الندية: ۱/ ۵۰۱، بتحقيق محمد صبحي حسن حلاق، صنعاء، يمن)

(۳) عاملینِ زکوٰۃ اس سے مراد وہ افراد ہیں جو ادارۂ خلافت یا کسی ادارۂ مسلمین کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے، وصول شدہ کی حفاظت کرنے اور ان کا حساب کتاب لکھنے اور انہیں تقسیم کرنے پر مامور ہوں۔ ایسے لوگ چاہے صاحب حیثیت ہوں، زکوٰۃ کی رقم سے ان کو ان کے اس کام (وصولیٔ صدقات) کی اجرت دی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا کام اگر سرکاری طور پر ہو، تو اس نظام سے جہاں ایک طرف معاشرے سے غربت و ناداری کے خاتمے کا کام نہایت مؤثر طریقے سے لیا جا سکتا ہے، وہاں دوسری طرف یہ کام نہایت وسیع پیمانے پر انتظامات کا بھی متقاضی ہے جس کے لیے دفاتر سے لے کر افراد تک کا انتظام کرنا ناگزیر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وصول شدہ زکوٰۃ کی رقم سے، وصولی اور تقسیم کے اخراجات وضع کرنے کی سہولت دے کر اس نظام کو قائم کرنے کے لیے بہت بڑی آسانی فراہم کر دی ہے۔ آج کل کی مسلمان حکومتیں ہی اس سہولت سے فائدہ نہ اٹھائیں، تو یہ کتنی حرماں نصیبی کی بات ہے۔ اکثر مسلمان مملکتوں میں غربت و

ناداری اور گداگری کی لعنت عام ہے۔ اگر یہ مملکتیں صلوٰۃ و زکوٰۃ کے نظام کا اہتمام کریں' تو بیرونی ملکوں اور اداروں سے انہیں قرض لینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے جس نے ہماری آزادی و خودمختاری کو مشکوک بنا دیا ہے۔ کیونکہ ان مملکتوں میں دو مسئلے سب سے زیادہ گھمبیر اور بہت زیادہ وسائل کے متقاضی ہیں۔

ایک غربت و ناداری کا خاتمہ' دوسرے' ہر وقت جنگ کے لیے تیار رہنے کے لیے (جیسا کہ قرآنی حکم' ﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ ﴾ الآیۃ کا تقاضا ہے) آلاتِ حرب و ضرب کی وسیع پیمانے پر تیاری اور فراہمی۔ اللہ تعالیٰ نے فقراء و مساکین کو زکوٰۃ کے مصارف میں شامل کر کے غربت و ناداری کے خاتمے کے لیے ایک بہت بڑی بنیاد فراہم فرما دی ہے' جس سے کوئی مسلمان مملکت کام لینا چاہے' تو اس ضمن میں بہت کچھ کر سکتی ہے۔ اسی طرح فی سبیل اللہ کو (جس سے جہاد اور اس کی ضروریات مراد ہیں) مصرفِ زکوٰۃ قرار دے کر اس بڑے خرچ کا بھی انتظام فرما دیا ہے (جیسا کہ فی سبیل اللہ کے بیان میں اس کی کچھ تفصیل آگے آ رہی ہے۔)

(۴) مؤلفۃ القلوب

یہ زکوٰۃ کا چوتھا مصرف ہے۔ اس کا مطلب ہے' تالیف قلب کے لیے کسی کو کچھ دینا۔ جیسے کوئی نہایت بااثر غیر مسلم شخص ہے' اگر اس کی تالیف قلب (دلجوئی) کا اہتمام کر دیا جائے تو یہ امید ہو کہ یہ شخص وہاں پر آباد مسلمانوں کی حفاظت کے لیے مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے' تو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے' چاہے وہ مال دار بھی ہو۔ اسی طرح وہ نو مسلم اور ضعیف الایمان افراد بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جن کی اگر دل جوئی اور مالی اعانت نہ کی جائے' تو ان کے اسلام سے منحرف ہو جانے کا خطرہ ہو۔ یا ایسے مائل بہ اسلام کافر' جو مالی اعانت سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے بھی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ فقیر و مسکین ہوں تب ہی ان کی مدد زکوٰۃ کی مد سے کی جا سکتی ہے' بلکہ صاحب حیثیت ہونے کے باوجود ایسے لوگوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔

احناف نے اس مد کو ساقط قرار دیا ہے' لیکن یہ مسلک صحیح نہیں۔ قیامت تک یہ

مصرف بھی دیگر مصارفِ زکوٰۃ کی طرح قائم رہے گا اور بوقتِ ضرورت اور حسبِ اقتضاء مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے۔

عیسائی مشنریوں کی تبلیغی مہم کو ناکام بنانے کیلئے زکوٰۃ کی رقم کا استعمال: عیسائی حکومتیں عیسائی مشنریوں کی بھرپور امداد کرتی ہیں، جس کے بل پر عیسائی مشنریوں نے اسلامی ممالک میں بالعموم اور افریقی ممالک میں بالخصوص عیسائیت کی تبلیغ کے جال پھیلا رکھے ہیں۔ ان مشنری اداروں کے، ایسے لوگ بالخصوص ہدف ہوتے ہیں جو مختلف مصائب کا شکار اور فقرو فاقہ میں مبتلا ہوں۔ انسانی ہمدردی کے عنوان سے یہ عیسائیت کے پرچارک ان کے قلوب میں اپنی جگہ بناتے ہیں اور پھر انہیں عیسائیت کے فتراک کا نخچیر بنا لیتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی حکومتیں ارتداد کی اس مہم سے بالکل بے خبر اور اسلامی تبلیغ کے فریضے سے یکسر غافل ہیں۔ ایسے حالات میں مؤلفۃ القلوب کی مد سے ایسے لوگوں کی امداد کی جا سکتی ہے اور کی جانی چاہیے جو ان مشنری اداروں کی کوششوں کی وجہ سے عیسائیت کے قریب آ چکے ہوں، ان کی مالی امداد کر کے عیسائیت کی محبت ان کے دلوں سے نکالی جائے تاکہ وہ ارتداد کا راستہ اختیار نہ کریں۔ اسی طرح ایسے غریب عیسائیوں کی امداد بھی اس مد سے کی جا سکتی ہے اور کی جانی چاہیے کہ جو مختلف مصائب و آلام میں گھرے ہوئے ہوں اور ان کی مالی امداد سے ان کے قلوب، اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید ہو۔

(۵) گردن چھڑانا گردن چھڑانے سے مراد غلاموں کو آزاد کرنا ہے، جس کا رواج اُس دور میں تھا۔ گویا زکوٰۃ کی رقم سے غلام کو خرید کر آزاد کر دینا یا مکاتبت کی صورت میں اس (مکاتب) غلام کی امداد کرنا جائز ہے، غلامی کا رواج تو اب ختم ہو گیا ہے تاہم بعض حالات میں اس سے ملتی جلتی صورت یہ پیدا ہو سکتی ہے کہ کوئی مسلمان اگر دشمن کے ہاں گرفتار ہو جائے تو زکوٰۃ کی مد سے اس کا فدیہ ادا کر کے اس کو چھڑایا جا سکتا ہے، یا اسی نوعیت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو وہاں اس مد کے ذریعے سے امداد کی جا سکتی ہے۔

(۶) غارمین اس سے مراد وہ شخص ہے جو مقروض ہو، وہ مقروض چاہے کم آمدنی کی وجہ

سے ہو' جیسے غریب آدمی' جس کے ذرائع آمدنی تو بالکل محدود ہوں' لیکن زیر کفالت کنبہ بڑا ہو' یا اہل خانہ بیمار زیادہ رہتے ہوں' علاج معالجے پر کافی خرچ ہو جاتا ہو اور اس اضافی خرچ کی وجہ سے وہ قرض دار ہو جائے' کاروبار میں نقصان ہونے' چوری ہو جانے یا آگ لگ جانے کی وجہ سے کوئی شخص مقروض ہو جائے' یا کسی کی ضمانت دینے کی وجہ سے اس کو کچھ رقم دینی پڑ جائے۔ ایسی مذکورہ بہت سی صورتوں میں کئی سفید پوش بھی زکوٰۃ کے مستحق بن جاتے ہیں اور ان مذکورہ قسم کے تمام افراد کی امداد زکوٰۃ کی رقم سے کی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں آخرالذکر شخص' جس نے دو فریقوں کا جھگڑا ختم کرنے کے لیے قرض کی ادائیگی کی ذمے داری اٹھائی ہو' وہ صاحب حیثیت بھی ہو تب بھی اس پر پڑنے والے تاوان کی ادائیگی کی حد تک اس کے ساتھ زکوٰۃ کی رقم سے تعاون کرنا جائز ہے۔ اسلام کی یہ سہولت بھی رفع نزاعات کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ آج کل اکثر امراء اس مد زکوٰۃ کو خاص اہمیت نہیں دیتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ صرف فقیر اور مسکین قسم ہی کے لوگوں کا حق ہے اور مقروض عام طور پر سفید پوش ہوتا ہے' وہ فقیر ہوتا ہے نہ فقیروں والی حالت ہی میں رہتا ہے' وہ سالہا سال تک قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہتا ہے لیکن اہل ثروت کے نزدیک وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول یاد رکھنا چاہیے' انہوں نے اپنے عمالِ حکومت کو یہ فرمان جاری کیا کہ وہ مقروضوں (غارمین) کے قرض ادا کریں تو انہیں کہا گیا:

«إِنَّا نَجِدُ الرَّجُلَ لَهُ الْمَسْكَنُ وَالْخَادِمُ وَالْفَرَسُ وَالأَثَاثُ، فَكَتَبَ عُمَرُ: إِنَّهُ لاَبُدَّ لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ مِنْ مَّسْكَنٍ يَّسْكُنُهُ وَخَادِمٍ يَّكْفِيهِ مِهْنَتَهُ وَفَرَسٍ يُّجَاهِدُ عَلَيْهِ عَدُوَّهُ، وَمِنْ أَنْ يَّكُوْنَ لَهُ الأَثَاثُ فِي بَيْتِهِ، نَعَمْ فَاقْضُوا عَنْهُ فَإِنَّهُ غَارِمٌ»(كتاب الأموال لأبي عبيد، رقم:٥٥٦)

"ہم دیکھتے ہیں کہ (مقروض) آدمی کے پاس گھر ہے' خادم ہے' گھوڑا ہے اور گھریلو سامان بھی ہے (کیا ایسے مقروض شخص کو بھی ہم قرض کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ دیں؟) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں لکھا' ایک مسلمان آدمی کے لیے ضروری ہے کہ

اس کے پاس گھر ہو جس میں وہ رہائش رکھتا ہو' خادم ہو جو اس کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹاتا ہو اور گھوڑا ہو جس پر سوار ہو کر وہ اپنے دشمن سے لڑتا ہو۔ نیز اس کے گھر میں گھریلو سامان بھی ہو۔ اس سب کے باوجود اس کا قرض تم ادا کرو' اس لیے کہ وہ غارم (مقروض) ہے۔" اس قسم کی رائے کا اظہار حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے۔ (حوالہ مذکور)

(۷) فی سبیل اللہ یعنی "اللہ کی راہ میں" یہ لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو' اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ لیکن جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ یہاں فی سبیل اللہ "اللہ کی راہ میں" سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے' اس لیے اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو محاذِ جنگ پر دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہوں' یہ لوگ غنی ہوں تب بھی ان پر مالِ زکوٰۃ صرف کرنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: "مالِ زکوٰۃ صرف اس غازی پر خرچ کیا جا سکتا ہے جو غریب ہو" لیکن قرآنِ مجید کے اطلاق سے یہ تخصیص درست نہیں رہتی۔ قرآن میں عموم ہے جو ہر غازی کو شامل ہے' چاہے غریب ہو یا غنی۔ اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں مال دار غازی کو بھی زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا ہے:

«لاَ تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلاَّ لِخَمْسَةٍ : لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، ح:١٦٣٥)

"پانچ قسم کے اغنیاء کے علاوہ کسی کے لیے مالِ زکوٰۃ جائز نہیں۔ ان میں سے ایک غنی "غازی فی سبیل اللہ" ہے۔"

اسی طرح سامانِ حرب و ضرب خریدنے کے لیے قومی دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔ چنانچہ محمد بن عبدالحکم فرماتے ہیں:

«يُعْطٰى مِنَ الصَّدَقَةِ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلاَحِ وَمَا يُحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنْ اٰلاَتِ الْحَرْبِ وَكَفِّ الْعَدُوِّ عَنِ الْحَوْزَةِ لأَنَّهُ كُلَّهُ مِنْ فِي سَبِيْلِ الْغَزْوِ وَمَنْفَعَتِهِ وَقَدْ أَعْطَى النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الصَّدَقَةِ مِائَةَ نَاقَةٍ فِي نَازِلَةِ

سَهْلِ بْنِ أَبِيْ حَثْمَةَ إِطْفَاءً لِّلثَّائِرَةِ»(أحكام القرآن لابن العربي: ٢/ ٩٥٧)

"حاجت و ضرورت کے مطابق آلاتِ حرب 'گھوڑے اور ہتھیار خریدنے اور دشمن کو اپنے ملک سے دفع کرنے کے لیے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے' کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہی میں داخل ہے۔ نبی ﷺ نے سہل بن ابی حثمہ کے قتل کے سلسلے میں فتنہ و فساد سے لڑائی کا شعلہ سرد کرنے کے لیے زکوٰۃ کے سو اونٹ خرچ کیے تھے۔"

حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے

کیونکہ اس کی وضاحت بعض حدیثوں میں آ گئی ہے۔ چنانچہ ام معقل رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے:

«قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ مِنْ سَبِيْلِ اللهِ»(مسند أحمد: ٦/ ٤٠٦ والإرواء، ح: ٨٦٩، ١٥٨٧)

"رسول اللہ ﷺ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا' فی سبیل اللہ میں حج اور عمرہ داخل ہیں۔"

شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے' مگر اس میں عمرے کا ذکر شاذ ہے' یعنی عمرے کے بغیر یہ روایت صحیح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کا فی سبیل اللہ میں سے ہونا صحیح ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی بابت ایک اثر منقول ہے۔ ملاحظہ ہو' ارواء الغلیل۔ ۸۶۹/۳)

صحیح بخاری میں معلقا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی نقل کی گئی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم حج کے لیے دی جا سکتی ہے اور حضرت ابولاس رضی اللہ عنہ سے معلقا منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سفر حج کے لیے زکوٰۃ کے اونٹ عطا فرمائے۔ (صحیح بخاری' کتاب الزکوٰۃ' باب :۴۹)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کی احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ فی سبیل اللہ کی مد سے حج اور عمرہ کے لیے جانے والوں کی امداد کی جا سکتی ہے اور ان کے سفر کا سامان وغیرہ تیار کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی جانور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف ہے تو اس پر حاجی اور معتمر سفر کر سکتا

ہے۔" (نیل الاوطار' ج:۴' ص:۱۹۳' باب الصرف فی سبیل اللّٰہ و ابن السبیل)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کی بنیاد بھی اس حدیث پر ہے جس میں حج اور عمرہ دونوں کو فی سبیل اللہ میں سے بتلایا گیا ہے' لیکن جیسا کہ پہلے گزرا کہ عمرے کا ذکر شاذ ہے۔ اس لیے صرف حج کا فی سبیل اللہ میں سے ہونا صحیح ہے۔

اسی طرح مدارس دینیہ پر جہاں فقیر' مسکین اور غریب طلباء تعلیم پاتے ہوں' یا کسی بھی تبلیغی تحریری یا تقریری مد میں زکوٰۃ کا مال صرف کرنا جائز ہے' کیونکہ تبلیغی جدوجہد پر جہاد فی سبیل اللہ صادق آتا ہے۔ گویا مدارس دینیہ میں زیر تعلیم طلباء کا استحقاق دوگنا ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ ان کی اکثریت فقراء و مساکین کے ذیل میں آتی ہے اور دوسری اس وجہ سے کہ ان کی زندگی اور تعلیم کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔

(۸) ابن السبیل (مسافر)

ابن السبیل کا لفظی ترجمہ ہے "راستے کا بیٹا' فرزند راہ۔" مراد ہے مسافر' کیونکہ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر' راستے طے کر کے ہی کرتا ہے۔ اسے بھی مستحق زکوٰۃ قرار دیا گیا ہے' اس لیے کہ بعض دفعہ دیارِ غیر میں اس کے پاس کچھ نہیں رہتا (گو اپنے وطن اور اپنے گھر میں اس کے پاس سب کچھ ہو۔) آج کل اگرچہ تیز رَو جدید مواصلات کا اور اسی طرح بنکوں کے ذریعے سے ہر جگہ اپنے اکاؤنٹ سے اپنا مال حاصل کرنے کا نظام موجود ہے' اور ان سے لوگوں کو بہت سہولتیں حاصل ہو گئی ہیں جن کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ بہت سے مسافر اپنے وطن سے دور ضرورت مندی اور احتیاج کی اس سطح کو پہنچ سکتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں کی امداد کی ضرورت پیش آئے اور مسلمانوں کے تعاون کے بغیر ان کے لیے اپنے جسم و روح کا رشتہ برقرار رکھنا اور اپنے گھر واپس پہنچنا مشکل ہو جائے۔ تو ایسے مسافروں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے اور جو شخص دونوں جگہ ہی محتاج ہو' وہ مسافر تو بطریق اولیٰ زکوٰۃ کا مستحق ہے۔

زکوٰۃ کی تقسیم حالات و ضروریات کے مطابق ہونی چاہیے: بعض ائمہ کی رائے ہے کہ جن آٹھ مصارفِ زکوٰۃ کا ذکر قرآن مجید میں ہے' اگر مالک یا اس کا وکیل خود زکوٰۃ تقسیم

کرے (سرکاری اہل کار -عامل- اس سے وصول کر کے بیت المال میں جمع نہ کرے) تو وہ زکوٰۃ کو سات حصوں میں تقسیم کر کے ساتوں مصارف پر تھوڑی تھوڑی خرچ کرے اور اگر خلیفۂ وقت کی طرف سے زکوٰۃ کے جمع کرنے اور تقسیم کرنے کا نظام قائم ہو تو وہ آٹھوں مصارف پر تقسیم کرے۔ لیکن یہ رائے جمہور کی رائے کے خلاف ہے۔ جمہور علماء یہی کہتے ہیں کہ آٹھ مصارف بیان کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ آٹھوں یا ساتوں حصوں پر تقسیم کرے' بلکہ ان مصارفِ ثمانیہ کے ذکر سے اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ یہ یہ افراد اور یہ یہ جگہیں ہیں جہاں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنی جائز ہے۔ اب یہ حالات پر منحصر ہے' چاہے زکوٰۃ انفرادی طور پر ادا کی جائے یا اجتماعی طور پر۔ کہ کون یا کون کون اس وقت زیادہ مستحق ہے؟ اس حساب سے زکوٰۃ کی تقسیم عمل میں لائی جائے گی۔ اگر ملک میں غربت و ناداری زیادہ ہے' جب کہ جہاد کا مرحلہ بھی سامنے نہیں ہے' اسی طرح اور بھی بعض مصارف زیادہ اہمیت کے حامل نہیں ہیں' تو ساری زکوٰۃ فقراء مساکین پر تقسیم کر دینا بھی جائز بلکہ انسب ہے۔ اسی طرح اگر جہاد کا مرحلہ سامنے ہے تو ساری زکوٰۃ اسی پر خرچ کرنی جائز بلکہ ضروری ہو گی۔ بنابریں اگر ایک شخص کی زکوٰۃ تھوڑی ہے اور وہ کسی ایک ہی ضرورت مند مستحق کو ساری زکوٰۃ دے دیتا ہے' تو اس کا ایسا کرنا صحیح بلکہ انسب ہے۔

<u>بعض حالات میں صاحب نصاب بھی مستحق زکوٰۃ ہو سکتا ہے</u>: مذکورہ وضاحت سے ان علماء کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جو مال کی کسی ایک قسم کے اعتبار سے صاحب نصاب ہے' لیکن کثرتِ عیال یا دیگر اسباب و وجوہ کی بنا پر اس کی آمدنی اسے کفایت نہیں کرتی' تو وہ ایک اعتبار سے تو غنی ہے اور اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکالنے کا پابند ہے' لیکن اس اعتبار سے وہ فقیر بھی ہے کہ اس کا مال اس کی کفایت کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ (فقہ السنۃ ' ج:۱' ص:۳۲۷)

باب : چہارم

وہ افراد، جن کیلئے زکوٰۃ جائز نہیں

(۱) آلِ نبی جن کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں، ان میں ایک تو نبی ﷺ کی آل ہے اور اس سے مراد بنو ہاشم ہیں، جن میں آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس، آل حارث اور بقولِ بعض بنو مطلب ہیں۔ نبی ﷺ خود بھی اور اپنے اہل و عیال کی بابت بھی صدقے کے معاملے میں بہت زیادہ احتیاط فرماتے تھے۔ تاہم بعض ائمہ کا کہنا ہے کہ یہ حکم نبی ﷺ کی زندگی تک تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ آپ پر مال و دولت جمع کرنے کا اتہام نہ لگا سکیں۔ علاوہ ازیں آپ کے قرابت داروں کے لیے خمس میں سے ایک حصہ مقرر تھا، اب یہ حصہ بھی ختم ہو گیا ہے اور نبی ﷺ کی ذات گرامی کو متہم کرنا بھی اب ممکن نہیں رہا ہے، اس لیے بوقت ضرورت اب زکوٰۃ و صدقات سے ان کی امداد کرنا جائز ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ، اردو ۲/ ۲۵۳)

(۲) اغنیاء دوسرے لوگ، جن کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہے، اغنیاء ہیں۔ ان سے مراد وہ اصحابِ حیثیت لوگ ہیں جو اپنی ضروریات پوری کرنے میں کسی کے محتاج نہ ہوں۔ تاہم وہ اغنیاء مستثنیٰ ہیں جن کے لیے زکوٰۃ جائز قرار دے دی گئی ہے۔ جیسے عاملین، غازی (فی سبیل اللہ) ابن السبیل (مسافر)، مؤلفۃ القلوب اور وہ لوگ جو باہمی تنازعات کے خاتمے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے کسی کے قرض کی ادائیگی کی ذمے داری اٹھالیں، ان کے لیے قرآن میں غارمین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یہ پانچ قسم کے لوگ ہیں جو فقیر ہوں یا غنی، حسب ضرورت ان پر زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے۔ بعض علماء نے ان مذکورہ قسموں پر غور کر کے ان کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے اور

لوگوں کے، مسلمان حاجت مند ہوں (یعنی جن کی خدمات اور کردار سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے) ان پر بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔

پہلی قسم: جو مسلمان حاجت مند ہوں، جیسے فقراء و مساکین، آزاد کرنے کے قابل غلام، مقروض اور مسافر ہیں۔

دوسری قسم: جن کی مسلمانوں کو حاجت ہو۔ جیسے عاملین، مؤلفۃ القلوب، غارمین (صلح کی خاطر دوسروں کا مالی بوجھ اٹھانے والے) اور فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے) ہیں اور اسی میں بعض علماء نے علوم دین حاصل کرنے یا پھیلانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینے والے طلباء اور علماء کو بھی شامل کیا ہے، کیونکہ ان کا مقصد بھی جہاد کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ ہی ہے جس سے اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

«لاَ تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلاَّ لِخَمْسَةٍ: لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا أَوْ لِغَارِمٍ أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ أَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مِّسْكِيْنٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَأَهْدَاهَا الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، ح:١٦٣٥)

"پانچ قسم کے مال داروں کے لیے زکوٰۃ حلال ہے، ایک اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، دوسرا زکوٰۃ وصول کرنے والا، تیسرا غارم (یعنی صلح کی خاطر تاوان ادا کرنے والا) چوتھا اپنے مال سے زکوٰۃ کی چیز خریدنے والا اور پانچواں وہ شخص، جس کا پڑوسی کوئی مسکین ہو، وہ مسکین زکوٰۃ کے مال سے اس (غنی) کو ہدیہ دے۔"

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے (جسے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے دو مقصد کے لیے زکوٰۃ مقرر فرمائی ہے۔ ایک اس لیے کہ مسلمانوں کی حاجتیں پوری ہوں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی مدد اور اس کی تقویت ہو، پس جو مدات اسلام کی تائید کے لیے ہیں، ان میں سے غنی اور فقیر دونوں کو زکوٰۃ دی جائے گی، جیسے مجاہد وغیرہ ہیں اور مؤلفۃ القلوب کو دینا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ (مجموع فتاویٰ

شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ' ۴۰/۲۵' طبع قدیم)

(۳) غیر مسلم زکوۃ خالص مسلمانوں کا حق ہے یعنی مسلمانوں کے اغنیاء سے وصول کر کے مسلمان فقراء و مساکین پر خرچ کی جائے گی' جیسا کہ حدیث معاذ میں صراحت ہے:

«تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ» (صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، ح: ١٣٩٥)

''زکوۃ مسلمانوں کے اغنیاء سے وصول کر کے ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے گی۔''

تاہم نفلی صدقات سے غیر محارب غیر مسلموں کے ساتھ تعاون کیا جا سکتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓاْ إِلَيْهِمْ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٨)

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ تمہیں نیک سلوک کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں لڑائی نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔''

اسی طرح جب حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مشرک ماں کی بابت صلہ رحمی یعنی حسن سلوک کرنے کا پوچھا' تو آپ نے فرمایا:

«صِلِي أُمَّكِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب صلة الوالد المشرك، ح:٥٩٧٨ وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين. . .، ح:١٠٠٣ واللفظ لمسلم)

''اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی (یعنی حسن سلوک) کر۔''

قرآن مجید کی ایک اور آیت (اور اس قسم کی دیگر آیات) سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

﴿ وَيُطْعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ ﴾ (الدهر٧٦/ ٨)

''اور وہ کھانے کی محبت کے باوجود مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

اس میں مسکین، یتیم اور قیدی عام ہیں، مسلمان ہوں یا غیر مسلمان۔ سب ضرورت مندوں کو کھلانا اور ان کی خبرگیری کرنا مستحب عمل ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے کافر قیدیوں کی بابت صحابہ کو حکم دیا تھا کہ ان کی تکریم کریں، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے ان کو کھانا کھلاتے اور خود بعد میں کھاتے (تفسیر ابن کثیر)

(۴) فسق و فجور یا بدعت کا مرتکب

فاسق و فاجر، بے نمازی یا بدعتی کو زکوٰۃ دینی جائز ہے یا نہیں؟ اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ تاہم بعض علماء کے نزدیک مذکورہ قسم کے لوگوں کو زکوٰۃ دینا صحیح نہیں ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«أَمَّا الزَّكَاةُ، فَيَنْبَغِي لِلإِنْسَانِ أَنْ يَّتَحَرَّى بِهَا الْمُسْتَحِقِّيْنَ مِنَ الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْغَارِمِيْنَ وَغَيْرِهِمْ مِّنْ أَهْلِ الدِّيْنِ، الْمُتَّبِعِيْنَ لِلشَّرِيْعَةِ فَمَنْ أَظْهَرَ بِدْعَةً أَوْ فُجُوْرًا فَإِنَّهُ يَسْتَحِقُّ الْعُقُوْبَةَ بِالْهَجْرِ وَغَيْرِهِ وَالاِسْتِتَابَةِ فَكَيْفَ يُعَانُ عَلٰى ذٰلِكَ؟»(مجموع الفتاوی: ۲۵/ ۸۷)

"انسان کو چاہیے کہ وہ زکوٰۃ دینے کے لیے فقراء و مساکین اور غارمین وغیرہم میں سے ایسے مستحق لوگوں کو تلاش کرے جو دیندار اور شریعت کے پیروکار ہوں۔ پس جو بدعت یا فسق و فجور کا اظہار کرے، تو وہ تو اس سزا کا مستحق ہے کہ اس سے تعلق توڑ لیا جائے اور اس سے توبہ کروائی جائے، وہ مدد کا مستحق کیوں کر ہو سکتا ہے؟"

شیخ الاسلام آگے چل کر فرماتے ہیں:

«وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مُّصَلِّيًا أُمِرَ بِالصَّلٰوةِ، فَإِنْ قَالَ، أَنَا أُصَلِّي، أُعْطِيَ وَإِلاَّ لَمْ يُعْطَ»(مجموع الفتاوی: ۲۵/ ۸۹)

"جو بے نمازی ہو، اسے نماز پڑھنے کی تلقین کی جائے، اگر وہ کہے میں نماز پڑھوں گا، تو اسے زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے، اگر وہ نماز پڑھنے کا اقرار نہ کرے تو اسے نہ دی جائے۔"

اور اللہ کے دین کا مذاق اڑانے والے، منکرات کا کھلم کھلا ارتکاب کرنے والے اور

گمراہی سے باز نہ آنے والے بھی اسی حکم میں شامل ہوں گے۔ جو علماء مذکورہ قسم کے افراد کو زکوٰۃ دینا جائز قرار دیتے ہیں' وہ بھی مطلقاً اس کے قائل نہیں ہیں' بلکہ وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ زکوٰۃ کی رقم اپنے فسق و فجور ہی پر خرچ کریں اور اس سے اللہ کی نافرمانی ہی کا ارتکاب کریں' تو اس صورت میں وہ ہرگز زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں۔ ہاں اگر ان کی اصلاح کی امید ہو یا وہ اپنی اصلاح کرنے کا وعدہ کریں' تب انہیں زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہو گا۔ یوں ان حضرات کا موقف بھی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی ہو جاتا ہے۔

(۵) والدین اور اولاد اولاد اپنے والدین کو اور والدین اپنی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے' کیوں کہ ان پر ایک دوسرے کا نفقہ واجب ہے۔ اولاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ والدین کی کفالت کرے' اسی طرح اولاد کی کفالت والدین کی ذمے داری ہے' بالخصوص جب کہ وہ چھوٹی ہو اور کمانے کے قابل نہ ہو۔ تاہم بعض ائمہ کے نزدیک جب اولاد بڑی ہو کر والدین سے الگ ہو جائے اور وہ فقیر و مسکین کی تعریف میں آتی ہو' تو اس صورت میں والدین اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر اولاد' کثرت عیال یا کسی اور وجہ سے والدین پر خرچ کرنے کی استطاعت نہ رکھے' تو وہ بھی اس صورت میں والدین کی مدد زکوٰۃ کی رقم سے کر سکتے ہیں۔ (المجموع شرح المہذب' ج:٦' ص:٢٢٩' فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۵/۹۰)

دادا' دادی' پوتا' پوتی اور نواسہ' نواسی کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر والدین اور اولاد کا بیان ہوا (فقہ السنۃ) یعنی ان پر بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا صحیح نہیں' تاہم ضرورت کے تحت' (جیسا کہ تفصیل گزری) اس کی گنجائش ہے۔

(٦) بیوی بیوی کا نان و نفقہ خاوند کے ذمے ہے' اس لیے خاوند بیوی پر زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کر سکتا' کیونکہ اس طرح کرنے سے وہ زکوٰۃ سے خود فائدہ اٹھائے گا' جب کہ زکوٰۃ سے زکوٰۃ دینے والے کے لیے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ یہی علت والدین اور اولاد کو زکوٰۃ دینے میں مانع ہے۔ تاہم خاوند اگر غریب و مسکین اور بیوی مال دار ہو' تو بیوی اپنے خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے' اسی طرح اپنے بچوں پر بھی اسے خرچ کر سکتی

ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

(۷) رفاہی کام

رفاہی کاموں پر بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا صحیح نہیں۔ جیسے سڑک، پل وغیرہ بنانا اور اسی قسم کے دیگر کام۔ حتی کہ جمہور علماء کے نزدیک تعمیر مسجد پر بھی اسے خرچ نہیں کیا جا سکتا۔

(۸) صحت مند اور کمانے کے قابل شخص

آٹھویں جگہ جہاں زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں، وہ شخص ہے جو قوی مُکتسب ہے۔ یعنی جو صحت مند اور قوی ہے اور کمانے کی استعداد و صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے شخص کو خود بھی چاہیے کہ وہ محنت سے گریز نہ کرے اور لوگوں سے مانگنے کی بجائے کسب معاش کے لیے محنت اور جدوجہد کرے اور زکوٰۃ دینے والوں کو بھی چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کی رقم دے کر انہیں نکھٹو بنے رہنے کی حوصلہ افزائی نہ کریں۔

حدیث میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعے پر، جب کہ نبی ﷺ صدقے (زکوٰۃ) کا مال تقسیم فرما رہے تھے، دو آدمی آئے اور انہوں نے آپ سے سوال کیا، آپ نے ان کے سراپے پر نظر ڈالی اور اوپر سے لے کر نیچے تک ان کا جائزہ لے کر انہیں طاقتور قرار دیا اور پھر ان سے خطاب کر کے فرمایا:

«إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا وَلاَ حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَّلاَ لِقَوِيٍّ مُّكْتَسِبٍ»

(سنن أبي داود، الزكاة، باب من يعطىٰ من الصدقة وحد الغنىٰ، ح:١٦٣٣)

''اگر تم چاہو، تو تمہیں دے دیتا ہوں، لیکن زکوٰۃ میں مال دار اور طاقت ور کمائی کرنے والے کا کوئی حصہ نہیں۔''

نبی ﷺ کے یہ الفاظ نہایت بلیغ اور پُر حکمت ہیں، ان الفاظ میں ایک طرف آپ نے قوی مکتسب کو مال دار کے مساوی قرار دے کر اسے زکوٰۃ کا غیر مستحق قرار دیا اور دوسری طرف انہیں زکوٰۃ کی رقم دینے کا اشارہ بھی فرمایا۔ کیونکہ آپ نے انہیں صحت مند اور توانا تو دیکھا، لیکن آپ کو ان کے حالات کا علم نہیں تھا، ممکن ہے قوی و توانا ہونے کے باوجود وہ ایسے حالات سے دوچار ہوں کہ ان کے لیے سوال کرنا اور زکوٰۃ کی رقم لینا جائز ہو۔ اس

لیے آپ نے ان کے لیے جواز کا راستہ بھی کھلا رکھا اور اسے ان کے لیے حرام قرار نہیں دیا۔ اگر ان کے لیے زکوٰۃ کی رقم لینا حرام ہوتا تو آپ یہ کبھی نہ فرماتے کہ ''اگر تم چاہو، تو تمہیں دے دیتا ہوں'' بلکہ صاف الفاظ میں ان کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے انکار فرما دیتے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس طرح غنی (مال دار) کے لیے بعض حالات میں زکوٰۃ کا مال لینا جائز ہے، جیسے مجاہد، غارم اور ابن السبیل (مسافر) ہیں۔ اسی طرح بعض حالات میں قوی مکتسب کے لیے بھی زکوٰۃ جائز ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے یہ جواز کب ہو گا؟ جب وہ محنت اور جدوجہد کے باوجود اتنی کمائی نہ کر سکے کہ جس سے اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریاتِ زندگی پوری ہو سکیں۔ امام ابوعبید قاسم بن سلام نے اس نکتے کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے:

«فَأُرَاهُ ﷺ قَدْ سَوّٰى بَيْنَهُمَا فِي تَحْرِيْمِ الصَّدَقَةِ عَلَيْهِمَا وَجَعَلَ الْغِنٰى وَالْقُوَّةَ عَلَى الِاكْتِسَابِ عَدْلَيْنِ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنِ الْقَوِيُّ ذَا مَالٍ فَهُمَا الْاٰنَ سِيَّانِ إِلاَّ أَنْ يَّكُوْنَ هٰذَا الْقَوِيُّ مَجْدُوْدًا عَنِ الرِّزْقِ مُحَارِفًا، وَهُوَ فِي ذٰلِكَ مُجْتَهِدٌ فِي السَّعْيِ عَلٰى عِيَالِهِ حَتّٰى يُعْجِزَهُ الطَّلَبُ، فَإِذَا كَانَتْ هٰذِهِ حَالُهُ فَإِنَّ لَهُ حِيْنَئِذٍ حَقًّا فِي أَمْوَالِ الْمُسْلِمِيْنَ، يَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾»(كتاب الأموال، ح: ٥٥٦)

''میرے خیال میں نبی ﷺ نے دونوں (مال دار اور قوی) کو حرمت زکوٰۃ میں برابر کر دیا ہے اور مال داری اور کمانے کی قوت دونوں کو ایک جیسا قرار دیا ہے، اگرچہ قوی آدمی صاحب مال نہ ہو، لیکن وہ اور صاحب مال دونوں اب برابر ہیں۔ ہاں اگر قوی شخص (کے پاس کمائی کے معقول ذرائع نہیں ہیں اور وہ) رزق سے محروم ہے حالانکہ اس کے لیے وہ اپنی امکانی سعی بروئے کار لاتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے بال بچوں کی کفالت نہیں کر پاتا۔ تو ایسی حالت میں مسلمانوں کے مالوں میں اس کا حق ہے اور وہ قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہے کہ ''مسلمانوں کے مالوں میں سائل اور

محروم کا حق ہے۔"

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

«وَجَاءَ فِي تَقْدِيْرِ الْغُنْيَةِ الْمَانِعَةِ مِنَ السُّؤَالِ أَنَّهَا أُوْقِيَةٌ أَوْ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا وَجَاءَ أَيْضًا أَنَّهَا مَا يُغَدِّيْهِ أَوْ يُعَشِّيْهِ وَهٰذِهِ الأَحَادِيْثُ لَيْسَتْ مُتَخَالِفَةً عِنْدَنَا لأَنَّ النَّاسَ عَلٰى مَنَازِلَ شَتَّى وَلِكُلِّ وَاحِدٍ كَسْبٌ لاَ يُمْكِنُ أَنْ يَتَحَوَّلَ عَنْهُ. . . ، فَمَنْ كَانَ كَاسِبًا بِالْحِرْفَةِ فَهُوَ مَعْذُوْرٌ حَتَّى يَجِدَ اٰلاَتِ الْحِرْفَةِ، وَمَنْ كَانَ زَارِعًا حَتَّى يَجِدَ اٰلاَتِ الزَّرْعِ، وَمَنْ كَانَ تَاجِرًا حَتَّى يَجِدَ الْبِضَاعَةَ وَمَنْ كَانَ عَلَى الْجِهَادِ مُسْتَرْزِقًا بِمَا يَرُوْحُ وَيَغْدُو مِنَ الْغَنَائِمِ، كَمَا كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَالضَّابِطُ فِيْهِ أُوْقِيَةٌ أَوْ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا، وَمَنْ كَانَ كَاسِبًا بِحَمْلِ الأَثْقَالِ فِي الأَسْوَاقِ أَوِ احْتِطَابِ الْحُطَبِ وَبَيْعِهِ وَأَمْثَالِ ذٰلِكَ، فَالضَّابِطُ فِيْهِ مَا يُغَدِّيْهِ أَوْ يُعَشِّيْهِ»(حجة الله البالغة: ٢/ ٤٦)

"اس تونگری کے بارے میں جو سوال سے مانع ہے، مختلف اندازے احادیث میں بیان ہوئے ہیں (مثلاً) وہ ایک اوقیہ (چالیس درہم) ہیں یا پچاس درہم ہیں اور یہ بھی آیا ہے کہ جس کے پاس صبح یا شام کی خوراک موجود ہو (یہ افراد زکوۃ کے مستحق نہیں ہیں) ہمارے نزدیک یہ احادیث ایک دوسرے کی مخالف نہیں ہیں اس لیے کہ لوگ مختلف مراتب کے حامل ہوتے ہیں اور ہر ایک کا ذریعۂ کمائی ایسا ہوتا ہے کہ اس سے پھرنا (اسے بدلنا) اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ پس جو شخص دست کاری کے ذریعے سے کمائی کرتا ہے تو وہ اس وقت تک معذور ہے جب تک اسے دست کاری کے اوزار دستیاب نہ ہوں۔ جو کاشت کار ہے وہ (اس وقت تک معذور ہے) جب تک اسے کاشت کاری کے آلات میسر نہ ہوں۔ تاجر ہے تو اس کے لیے سامان تجارت ضروری ہے اور جو مصروفِ جہاد ہے اسے مالِ غنیمت سے رزق مہیا کیا جاتا ہے جس سے اس

کے صبح و شام گزرتے ہیں، جیسا کہ اصحابِ رسول ﷺ کا حال تھا۔ پس اس (عدم استحقاق) میں ضابطہ ایک اوقیہ یا پچاس درہم ہیں اور جو شخص بازاروں میں بوجھ اٹھا کر کمانے والا ہے یا لکڑیاں کاٹ یا جمع کر کے اس کی بیع (خرید و فروخت) کرتا ہے یا اس قسم کا کوئی کام کرنے والا ہے، تو ان کے لیے ضابطہ اتنی خوراک کا ہونا ہے جو ان کی صبح یا شام کے لیے کافی ہو۔"

اور امام ابو عبید قاسم بن سلام احادیث میں بیان کردہ غنی (تونگری) کی مختلف مقداروں کا ذکر کر کے ان سے ایک اصولی بات یہ مستنبط کرتے ہیں۔

«وَلٰـكِنْ مَّعْنَاهُ فِيْمَا نَرٰى عَلٰى مَا هُوَ مُبَيَّنٌ فِي الْحَدِيْثِ نَفْسِهِ "أَنَّهُ مَنْ سَأَلَ مَسْأَلَةً لِيَتَكَثَّرَ بِهَا" يَقُوْلُ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ شَأْنُ هٰذَا مِنْ مَّسْأَلَتِهِ أَنْ يَّنَالَ مِنْهَا قَدْرَ مَا يَكُفُّهُ وَيُعِفُّهُ ثُمَّ يُمْسِكُ، وَلٰكِنَّهُ يُرِيْدُ أَنْ يَّجْعَلَهَا إِزَادَتَهُ وَطُعْمَتَهُ أَبَدًا فَإِنَّهُ يَسْتَكْثِرُ مِنْ جَهَنَّمَ وَإِنْ كَانَ مُعْدِمًا لاَ يَمْلِكُ إِلاَّ قَدْرَ مَا يُغَدِّيْهِ أَوْ يُعَشِّيْهِ» (كتاب الأموال، ح: ٥٥٣)

"جہاں تک ہمارا خیال ہے، نبی ﷺ کے فرمان کا مطلب ہے، جیسا کہ خود حدیث سے بھی یہی بات واضح ہے کہ جس نے مال زیادہ کرنے کے لیے سوال کیا۔۔۔" گویا آپ فرما رہے ہیں کہ جب سوال سے مقصد یہ نہیں ہے، بلکہ صرف اتنا مال حاصل کرنا ہے جو اس کو (آئندہ) سوال سے روک دے اور اس سے بچا لے، پھر وہ رک جائے۔ لیکن اگر اس کا ارادہ مال کی زیادتی اور ہمیشہ سامان خوراک حاصل کرتے رہنا ہے، تو بلاشبہ وہ جہنم کی آگ زیادہ کر رہا ہے اگرچہ وہ اتنا نادار ہے کہ صبح یا شام کی خوراک سے زیادہ اس کے پاس نہیں ہے۔"

امام بغوی، دو آدمیوں والی مذکورہ روایت، جس میں ان کے سوال کرنے کا ذکر ہے، بیان کر کے لکھتے ہیں:

«فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ القَوِيَّ الْمُكْتَسِبَ الَّذِي يُغْنِيْهِ كَسْبُهُ لاَ يَحِلُّ لَهُ

الزَّكَاةُ وَلَمْ يَعْتَبِرِ النَّبِيُّ ﷺ ظَاهِرَ الْقُوَّةِ دُوْنَ أَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ الْكَسْبَ، لأَنَّ الرَّجُلَ قَدْ يَكُوْنُ ظَاهِرَ الْقُوَّةِ غَيْرَ أَنَّهُ أَخْرَقُ لاَكَسْبَ لَهُ فَتَحِلُّ لَهُ الزَّكَاةُ وَإِذَا رَأَى الإِمَامُ السَّائِلَ جَلْدًا قَوِيًّا شَكَّ فِي أَمْرِهِ وَأَنْذَرَهُ وَأَخْبَرَهُ بِالأَمْرِ، كَمَا فَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَإِنْ زَعَمَ أَنَّهُ لاَ كَسْبَ لَهُ أَوْ لَهُ عِيَالٌ لاَ يَقُوْمُ كَسْبُهُ بِكِفَايَتِهِمْ قَبِلَ مِنْهُ وَأَعْطَاهُ»(شرح السنة: ٦/ ٨١ـ٨٢ بتحقيق شعيب الارناؤوط)

"اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ توانا آدمی جو کمائی کرنے والا ہے اور اس کی کمائی اسے کافی ہو جاتی ہے، اس کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں ہے اور نبی ﷺ نے کمائی کو ملائے بغیر صرف ظاہری قوت کا اعتبار نہیں کیا۔ اس لیے کہ بعض دفعہ آدمی ظاہری طور پر توانا ہوتا ہے، لیکن وہ بے وقوف بے ہنرا ہوتا ہے جس کا کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں ہوتا، تو ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ جائز ہے اور جب امام، سائل کو مضبوط اور توانا دیکھے، اسے اس کے مستحق ہونے میں شک ہو اور وہ اسے ڈرائے اور اسے (بلاجواز سوال کرنے کی ہولناکی سے) خبردار کرے، جیسے نبی ﷺ نے کیا۔ پھر اگر وہ خیال کرے کہ اس کا کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں ہے یا وہ عیال دار ہے اس کی کمائی اسے کافی نہیں ہوتی، تو وہ اس کی بات قبول کرلے اور اسے (زکوٰۃ کے مال سے) دے۔"

نواب صدیق حسن خان بھی اس قسم کی روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«يُمْكِنُ أَنْ يُطَبَّقَ بَيْنَ الأَحَادِيْثِ بِاخْتِلاَفِ الأَمْوَالِ، وَالأَصْلُ اعْتِبَارُ مَعْنَى الْحَاجَةِ وَالاِسْتِغْنَاءِ بِالْكَسْبِ الْمُتَيَسِّرِ»(الروضة الندية شرح الدرر البهية: ١/ ٥٠٨)

"ان احادیث کے درمیان اس طرح تطبیق دینا ممکن ہے کہ انہیں مختلف احوال پر محمول کرلیا جائے اور اصل اعتبار، حاجت کے معنی و مفہوم کا اور میسر کمائی کے ذریعے سے استغناء کا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ احادیث میں جو یہ آتا ہے کہ جس کے پاس ایک اوقیہ (چالیس درہم)

ہو' اس کے لیے سوال جائز نہیں۔ یا جو شخص جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اور انہیں بیچ کر اپنا گزارہ کر سکتا ہے' اس کے لیے بھی سوال کرنے کی بجائے یہی راستہ اختیار کرنا بہتر ہے' یا جس کے پاس صبح یا شام کی خوراک کے بقدر موجود ہو اس کے لیے بھی سوال کرنا صحیح نہیں ہے' تو اصل اعتبار' حاجت اور استغناء کا ہے۔ اس زمانے میں مذکورہ مقدار سے حاجت پوری ہو جاتی تھی یا استغناء (لوگوں سے بے نیازی) حاصل ہو جاتا تھا۔ آج بھی اگر مذکورہ طریقوں سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے' بصورت دیگر جس طریقے یا مقدار سے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے یا انہیں استغناء حاصل ہو سکتا ہے' وہ طریقہ اختیار کرنا اور اس مقدار کو اپنانا جائز بلکہ ضروری ہو گا۔

اس نقطۂ نظر کی اہمیت و ضرورت: ہم نے اس نکتۂ زیر بحث کو قدرے تفصیل سے اس لیے بیان کیا ہے کہ آج کل اصحابِ ثروت بالعموم زکوٰۃ کا مستحق صرف انہی لوگوں کو سمجھتے ہیں جو ظاہری طور پر مسکین و فقیر قسم کے ہوں۔ لیکن وہ سفید پوش لوگ جن کی قلیل آمدنیوں سے ان کے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے' بعض دفعہ وہ اپنا علاج کرانے سے یا اپنی بچیوں کے ہاتھ پیلے کرنے سے یا اور اسی قسم کی دیگر ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہوتے ہیں' ان کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی۔ یہ طبقہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا' نہ کر سکتا ہے اور لوگ بھی انہیں غیر مستحق سمجھتے ہیں' حتی کہ مال دار رشتے دار بھی' جن سے ان کے حالات مخفی نہیں ہوتے' ان کی امداد نہیں کرتے۔ نتیجۃً وہ نہایت تنگی کی زندگی گزارتے اور تلخیٔ اوقات کا شکار رہتے ہیں اور بعض لوگ تو خودکشی تک کر لیتے ہیں۔

اس لیے ضروری ہے کہ اصحابِ ثروت لوگ اپنا رویہ بدلیں اور فقراء و مساکین کے ساتھ' وہ اپنے ان رشتے داروں پر بھی نظر رکھیں جو اپنی محدود اور قلیل آمدنی کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہوں' وہ بغیر بتلائے زکوٰۃ کی رقم سے ان کی امداد کر سکتے ہیں اور ان کو ایسا کرنا چاہیے' تاکہ اس طبقے کی مشکلات بھی کم ہوں۔ ان کے لیے ایسا کرنا بالکل جائز ہے' جیسا کہ علماء کی تصریحات سے واضح ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں بعض اصحابِ نصاب بھی

ہو سکتے ہیں لیکن اگر ان کی عمومی حالت محتاجی اور تنگ دستی کی ہے، تو صاحب نصاب ہونے کے باوجود وہ مستحق زکوٰۃ ہیں، جیسا کہ فقہ السنۃ کے حوالے سے بھی ہم یہ نکتہ بیان کر آئے ہیں۔

جماعتوں یا مسجدوں کی سطح پر بیت المال کے قیام کی ضرورت: زکوٰۃ کی یہی وہ حیثیت و اہمیت ہے جس کی وجہ سے اللہ نے زکوٰۃ کا ایک مصرف، عاملینِ صدقات کا مقرر فرمایا ہے تاکہ اسے آسانی سے جمع اور تقسیم کیا جا سکے۔ اگر یہ رخصت نہ ہوتی تو اس کا انتظام کرنا اور معاشرے کے ضرورت مندوں تک اسے پہنچانا نہایت مشکل ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وصولی کے لیے عامل مقرر فرمائے اور اسی طرح بعد میں خلفائے راشدین اور ان کے بعد دیگر خلفاء نے بھی اس طریقے کو جاری رکھا۔

اب چند صدیوں سے بیت المال کا یہ ادارہ ختم ہے اس لیے اسلامی معاشروں میں معاشی ناہمواری بھی روزافزوں ہے اور غربت و ناداری میں مبتلا افراد سخت مشکلات کا شکار ہیں، علاوہ ازیں گداگری کی لعنت ایک ناسور کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ اس کا علاج تو یہی ہے کہ مسلمان مملکتوں میں عہد رسالت اور عہد خلافت کی طرح بیت المال کا قیام سرکاری سطح پر عمل میں لایا جائے اور اس کے ذریعے ہی سے زکوٰۃ و صدقات کی وصولی اور تقسیم کا کام ہو۔

لیکن جیسا کہ باخبر حضرات جانتے ہیں کہ بدقسمتی سے مسلمانوں کی موجودہ حکومتیں اسلامی تشخص سے محروم ہیں اور وہ اسلام کی بجائے سیکولرازم کی راہ پر گامزن ہیں۔ اس لیے وہ تو یقیناً اس بات کی اہل نہیں ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مالوں سے زکوٰۃ وصول اور تقسیم کریں۔ بنابریں اب مذہبی جماعتیں اور دینی ادارے ہی ایسے رہ گئے ہیں کہ وہ اگر یہ کام کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کے اندر اجتماعی کفالت اور باہم تناصر و تعاون کا وہ شعور یا جذبہ نہیں ہے جو ان کے اندر ہونا چاہیے۔ اس لیے وہ بھی اس کام کی اہمیت، افادیت اور ضرورت سے یا تو بے خبر ہیں یا جمود اور بے حسی نے ان کے قوائے فکر و عمل کو معطل کر رکھا ہے۔ چنانچہ ہر سال ہزاروں یا لاکھوں یا کروڑوں نہیں، بلکہ اربوں کے

حساب سے زکوٰۃ نکالی جاتی ہے، لیکن مسلمان معاشروں میں غربت و ناداری کا گراف کم ہونے کی بجائے بڑھ ہی رہا ہے اور گداگری کی لعنت بھی پریشان کن حد تک روزافزوں ہے۔

اس لیے ضرورت ہے کہ مذہبی جماعتیں اور دینی ادارے آگے بڑھیں اور مسلکی بنیادوں پر۔ کیونکہ موجودہ صورتحال میں اس کے بغیر چارہ نہیں۔ بیت المال قائم کریں یا مسجدوں کی سطح پر بھی یہ کام کیا جا سکتا ہے اور اس کے ذریعے سے زکوٰۃ کے ثمرات و برکات اور اسلام کے اس بہترین نظام سے لوگوں کو بہرہ یاب کریں، مذہبی جماعتوں اور دینی اداروں کی بنیاد بھی یہی زکوٰۃ کا مال ہے، اگر انہیں مسلمان عوام سے یہ تعاون نہ ملے تو وہ ایک قدم نہیں چل سکتے۔ اگر وہ تھوڑی سی ہمت اور کریں اور زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کو زیادہ وسیع بنیادوں پر قائم کر دیں اور محنت کے ساتھ امانت و دیانت کا بھی صحیح اہتمام کریں تو یقیناً غیرسرکاری سطح پر بیت المال بلکہ بیوت الاموال قائم ہو سکتے ہیں اور معاشرے کے ضرورت مند افراد کو اس نظم اجتماعی سے زکوٰۃ کے فوائد و ثمرات سے بہرہ ور کر سکتے ہیں، وَفَقَّهُمُ اللّٰهُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى۔

باب : پنجم

صدقۃ الفطر کے مسائل

(۱) مقصد صیام رمضان کے خاتمہ پر صدقہ فطر ضروری قرار دیا گیا ہے جس کے دو مقصد بتلائے گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ روزہ کی حالت میں باوجود سعی و کوشش کے بتقاضائے بشریت اگر کچھ انسانی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا ارتکاب ہو گیا ہو تو اس سے ان کی تلافی ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ جو نادار اور مفلس لوگ خاص اہتمام کر کے اس ملی تہوار کی مسرتوں میں شریک ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے' اس صدقے کے ذریعے ان سے تعاون کر کے انہیں بھی اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ عید کا یہ اضافی خرچ اس طرح برداشت کر لیں اور زیر بار ہوئے بغیر عید کی مسرتوں میں شریک ہونے کے لیے کچھ نہ کچھ اہتمام کر سکیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شریف میں ان دونوں مقاصد کی وضاحت یوں فرمائی گئی ہے:

«فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب زكاة الفطر، ح:١٦٠٩)

"رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر فرض کیا ہے (جس کا ایک مقصد) روزے دار کے روزے کو بے ہودہ گوئی اور فحش کلامی سے پاک کرنا ہے اور (دوسرا مقصد) غرباء و مساکین کی خوراک (و دیگر ضروریات) کا انتظام ہے۔"

(۲) فرضیت صدقۃ الفطر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۃ الفطر کا ادا کرنا فرض ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ جامع صحیح میں فرماتے ہیں:

بَابُ فَرْضِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ وَرَأَى أَبُوالْعَالِيَةِ وَعَطَاءٌ وَّابْنُ سِيْرِيْنَ

صَدَقَةَ الْفِطْرِ فَرِيْضَةً»

”صدقۃ الفطر کی فرضیت کا بیان‘ اور امام ابو العالیہ‘ عطاء اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہم صدقۃ الفطر کو فرض سمجھتے ہیں۔“

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے تحت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث نقل کرتے ہیں:

«فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلٰوةِ»

(صحيح البخاري، الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، ح:١٥٠٣)

”رسول اللہ ﷺ نے آزاد‘ غلام‘ مرد‘ عورت اور چھوٹے بڑے مسلمان پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو بطور صدقۃ الفطر ادا کرنا فرض کیا ہے اور اسے لوگوں کے نماز کے لیے نکلنے سے قبل ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔“

اس حدیث میں ایک تو صدقۃ الفطر کو زکوٰۃ الفطر سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرے اس کے لیے فَرَضَ کا لفظ استعمال کیا اور یہ دونوں چیزیں اس کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳) صدقۂ فطر کس پر فرض ہے؟

احناف کے نزدیک یہ صدقہ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہوں لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صدقے کی ادائیگی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے‘ چاہے امیر ہو یا غریب‘ کیونکہ ایک تو نبی ﷺ نے صدقۃ الفطر کو روزوں کی تطہیر کا باعث بتلایا ہے اور روزوں کی تطہیر امیر اور غریب دونوں کے لیے ضروری ہے۔

دوسرے‘ آپ نے جن الفاظ میں اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے‘ ان میں کوئی ایسی چیز نہیں جن سے امیر و غریب کے درمیان اس مسئلے میں فرق کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ اس لیے غرباء کو بھی صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے۔ تاہم کوئی بالکل ہی غریب ہو اور کسی ایسی جگہ رہائش پذیر ہو کہ جہاں اسے دیگر مسلمانوں کی طرف سے تعاون نہ ملے تو اس کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے یا پھر وہ نصف صاع ادا کر دے شاید وہی اللہ تعالیٰ قبول فرما لے۔ واللہ اعلم۔

(۴) نمازِ عید کیلئے نکلنے سے قبل ادائیگی ضروری ہے

یہ صدقۃ الفطر عید کی نماز کے لیے نکلنے سے قبل ضرور ادا کر دیا جائے کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں:

«وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلٰوةِ»(حواله مذكور)

''رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ نمازِ عید کے لیے نکلنے سے قبل اسے ادا کیا جائے۔''

اس طرح ایک اور حدیث میں ہے:

«فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ فَمَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَّقْبُوْلَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب زكاة الفطر، ح:١٦٠٩)

''رسول اللہ ﷺ نے روزے دار کے روزے کو بے ہودہ گوئی اور فحش کلامی سے پاک کرنے اور غرباء و مساکین کی خوراک مہیا کرنے کے لیے زکوٰۃ الفطر فرض کی ہے (یہ دوسرا مقصد اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب عید سے ایک دو روز قبل ہی غرباء کو یہ زکوٰۃ پہنچ جائے) پس جس شخص نے نماز عید کے لیے جانے سے قبل اسے ادا کر دیا' اس کی زکوٰۃ مقبول ہے اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے گا۔ تو اس طرح زکوٰۃ الفطر نہ ہوگی بلکہ یہ عام صدقات کی طرح ایک صدقہ ہوگا۔''

(۵) صدقۂ فطر کس جنس سے ادا کیا جائے؟

صدقۃ الفطر ہر اس غلے سے دیا جا سکتا ہے جو انسان بطور خوراک استعمال کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں گیہوں' چنے' جَو' مکئی' باجرہ' جوار' چاول وغیرہ اجناس خوردنی ہیں اور لوگ انہیں بطورِ خوراک استعمال کرتے ہیں' لہٰذا ان میں سے جو جنس زیادہ استعمال کرتا ہے' اس سے وہ صدقۃ الفطر ادا کر سکتا ہے۔

(۶) مقدار صدقۃ الفطر

صحیح مذہب کی رُو سے صدقۃ الفطر کی مقدار ایک صاع حجازی ہے جس کا وزن آج کل کے حساب سے ڈھائی کلو ہے۔ ایک

مسلک نصف صاع کا بھی ہے لیکن راجح' احادیث صحیحہ کی رو سے ایک ہی صاع ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بعض صحابہ نے اپنے قیاس سے جب نصف صاع تجویز کیا تو بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور اس عزم کا اعلان فرمایا کہ وہ ایک ہی صاع ادا کرتے رہیں گے۔ (صحیح مسلم' الزکوٰۃ' باب زکوٰۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر' ح: ۹۸۵)

دراصل نصف صاع کے اثبات میں کچھ روایات و احادیث آئی ہیں۔ ان میں سے کوئی حدیث بھی درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔ جیسا کہ امام بیہقی نے صراحت کی ہے۔ (سنن بیہقی' ۱۷۰/۴)

(۷) اگر قیمت دی جائے تو کتنی؟

اگر کسی کے پاس صدقۂ فطر ادا کرنے کے لیے غلہ موجود نہ ہو' یا جو شخص اس کے سامنے ہو' وہ غلے کے بجائے دیگر ضروریات کا حاجت مند ہو تو دونوں صورتوں میں غلے کے بجائے اس کی قیمت دی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ قیمت اسی غلے کے اعتبار سے دی جائے جو انسان استعمال کرتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص دیسی گندم استعمال کرتا ہے تو وہ ڈھائی کلو گندم یا اس کی قیمت ادا کرے۔ چاول استعمال کرنے والا ڈھائی کلو چاول یا اس کی قیمت ادا کرے۔

اس حساب سے ہر شخص اپنے تمام چھوٹے بڑے افرادِ خانہ کی طرف سے فی کس ایک صاع گندم یا ایک صاع چاول کے حساب سے صدقۂ فطر یا اس کی قیمت ادا کرے۔ اس صدقے سے گھر کا کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے' شیرخوار بچے سے لے کر شیخ فانی تک سب کی طرف سے ادا کیا جائے۔ اس طرح غلاموں' نوکروں اور ماتحتوں کی طرف سے بھی ادا کیا جائے۔

(۸) صدقۃ الفطر کا مصرف

صدقۂ فطر کے اصل مستحق صرف غرباء و مساکین ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اس لیے مقامی اور اہل محلہ فقراء و یتامیٰ اور مساکین ہی کو یہ صدقہ دیا جائے' ہاں کسی علاقے میں غرباء و مساکین کا وجود نہ ہو تو پھر زکوٰۃ کے مصارفِ ثمانیہ میں سے کسی ایک مصرف پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ امام

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

«وَكَانَ مِنْ هَدْيِهِ ﷺ تَخْصِيْصُ الْمَسَاكِيْنِ بِهٰذِهِ الصَّدَقَةِ وَلَمْ يَكُنْ يَقْسِمُهَا عَلَى الأَصْنَافِ الثَّمَانِيَةِ قَبْضَةً قَبْضَةً وَلاَ أَمَرَ بِذٰلِكَ وَلاَ فَعَلَهُ أَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَلاَ مَنْ بَعْدَهُمْ» (زاد المعاد: ١٥١/١)

''صدقۂ فطر کی تقسیم میں رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ نے اسے صرف مساکین کے ساتھ ہی خاص رکھا اور (قرآن میں مذکور) آٹھ قسموں پر اسے مٹھی مٹھی کر کے تقسیم نہیں کیا اور نہ اس کا حکم ہی دیا اور نہ آپ کے بعد صحابہ و تابعین نے ایسا کیا۔''

باب : ششم

''طلوع اسلام'' کا اشتراکی نظریہ' زکوٰۃ کا انکار!

ذیل کا مضمون آج سے ۲۳ سال قبل کا تحریر کردہ ہے۔ اس کا تعلق بھی اس معنی میں زکوٰۃ ہی سے ہے کہ اس میں منکرین حدیث کے زکوٰۃ کے اس خودساختہ مفہوم کی تردید کی گئی ہے جو وہ امت مسلمہ کے متفقہ مفہوم کے یکسر خلاف بیان کرتے ہیں۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ اسے بھی کتاب میں شامل کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں اس مضمون میں قرآن مجید کی آیت ﴿ قُلِ الْعَفْو ﴾ کا بھی صحیح مفہوم اور زکوٰۃ اور ٹیکس کا فرق بھی واضح کیا گیا ہے۔

حدیث سے انحراف اور قرآن میں تحریفِ معنوی : مسٹر غلام احمد پرویز کے نظریات کا پرچارک ماہنامہ ''طلوع اسلام'' جس کا مشن ہی اسلامی مسلمات کا انکار اور ان کی دُوراز کار رکیک تاویلات ہے' آئے دن قرآن و حدیث کے خلاف عجیب عجیب شوشے چھوڑتا اور علمائے اسلام کے خلاف جلے دل کے پھپھولے پھوڑتا رہتا ہے۔ علماء اس کو منہ اس لیے نہیں لگاتے کہ جہاں تک اس ٹولے کے نظریات کا تعلق ہے' اس کی حد تک وہ مدلل تغلیط و تردید کر کے ان پر اتمام حجت کر چکے ہیں۔ اب وہ کہاں تک اس ٹولے کا تعاقب کریں جب کہ وہ بار بار انہی باتوں کی جگالی کر رہا ہے جس کا وہ پوسٹ مارٹم متعدد مرتبہ کر چکے ہیں۔

مئی ۱۹۷۹ء کے شمارے میں اس رسالے میں اسلام کی ایک اور مسلمہ عبادت' ''زکوٰۃ'' کا صریح انکار کیا گیا ہے اور ستم یہ ہے کہ اس متواتر عبادت کا انکار بھی ''زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم'' کے خوشنما عنوان سے کیا گیا ہے۔ حدیث کے ماخذ اسلام اور حجت شرعیہ تسلیم

کرنے سے انکار کے پس پردہ اصل چیز اس ٹولے کے نزدیک ہے ہی یہ کہ اس کے بعد قرآن کے جس حکم' قانون اور ہدایت کو جو معنی بھی پہنا دیے جائیں اور اس کی کیسی ہی دُور از کار تاویل رکیک کر لی جائے' اس کی کچھ گنجائش نکل آئے' کیونکہ قرآن کے ساتھ حدیث رسول ﷺ کو بھی حسب ارشاد الٰہی: ﴿ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (النحل :۴۴/۱۶) سامنے رکھا جائے تو پھر من مانی کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ حدیث شریف کی رو سے تو صلاۃ (نماز) کا مفہوم بھی متعین ہے اور زکوٰۃ کی صورت بھی مقرر' جس کی پشت پر امت مسلمہ کا چودہ سو سالہ عملی تواتر بھی موجود ہے۔ ان کا انکار کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ چنانچہ اس کے بعد اسلام کو مسخ کرنے کا راستہ ان کے لیے کھل گیا۔ اب پرویزی ''قرآنی مفہوم'' کی رو سے نہ نماز کا مطلب وہ ہے جس پر چودہ سو سال سے مسلمان عمل کرتے آ رہے ہیں اور نہ زکوٰۃ کا وہ مطلب ہے جو مسلمان انفاقِ مال کی ایک متعین صورت سمجھتے آئے ہیں۔ اسی طرح دیگر عقائد اسلامیہ اور مسلمات (جیسے جنت' دوزخ' ملائکہ اور معراجِ جسمانی وغیرہ) کا حال ہے۔ ان کے نزدیک ان کی وہ صورتیں غلط ہیں جن پر مسلمان چودہ سو سال سے ایمان رکھتے اور ان پر عمل پیرا چلے آ رہے ہیں اور نام' ان سب خلافِ اسلام و عقائدِ اسلامیہ سرگرمیوں کا ''طلوع اسلام'' ہے۔ سبحان اللہ! گویا' بر عکس نہند نام زنگی کافور' والا معاملہ ہے۔

بہرحال عرض ہم یہ کر رہے تھے کہ ماہ مئی ۱۹۷۹ء کے طلوع اسلام میں ''زکوٰۃ'' کا قرآنی مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

> ''زکوٰۃ عربی زبان میں نشوونما کو کہتے ہیں لہٰذا ''ایتائے زکوٰۃ'' کے معنی ہوں گے سامانِ نشوونما مہیا کرنا اور یہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ افرادِ معاشرہ کی نشوونما کا سامان فراہم کرے اور یہ سامانِ نشوونما صرف ''روٹی' کپڑا' مکان'' ہی کو شامل نہیں بلکہ اس میں وہ تمام اسباب و ذرائع شامل ہیں جن سے انسانی صلاحیتوں کی نشوونما (Devlopment) ہوتی ہے۔ قرآن کی آیت ﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ ﴾ (الحج :۴۱/۲۲) کا بھی مفہوم یہی ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ جب

ان کی حکومت قائم ہو گی تو یہ لوگوں سے زکوٰۃ لیں گے۔ کہا یہ گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ دیں گے۔ (افرادِ معاشرہ کی نشوونما کا سامان فراہم کریں گے۔)" (ملخص)

زکوٰۃ کا یہ خانہ ساز مفہوم جو چودھویں صدی کے غلام احمد پرویز کی ذہنی اُپج کا شاہکار ہے' ظاہر ہے اس مفہوم سے قطعاً مختلف ہے جو قرآن کے شارح اوّل رسول اللہ ﷺ نے سمجھا اور امت کو سمجھایا' اس کی رو سے آپ نے اس کا نصاب' اس کی شرح اور اس کا وقت بتلایا' تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین و تبع تابعین' فقہاء و محدثین رحمہم اللہ نے اس کے مطابق عمل کیا اور اس وقت سے اب تک پوری امت مسلمہ ایتائے زکوٰۃ پر عمل کر رہی ہے۔ اب جب یہ کہا جائے گا کہ زکوٰۃ کا تو یہ مطلب ہی نہیں ہے کہ مال جمع ہو' اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس میں سے ڈھائی فیصد مال نکال دو بلکہ قرآن سے تو اس کا مطلب کچھ اور نکلتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کے لیے ایک تو ان تمام احادیث کا انکار کرنا پڑے گا جن میں رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کا نصاب' اس کی شرح' اس کا وقت اور دیگر تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

دوسرے' ذاتی ملکیت کی نفی کرنی پڑے گی کیونکہ طلوعِ اسلامی مفہوم کی رو سے افرادِ معاشرہ کے ایک ایک چیز کی ذمہ دار حکومت ہے۔ خود کسی فرد کو فاضل دولت اپنے پاس رکھنے کی اجازت ہی نہیں۔

تیسرے' ملکیت زمین کا بھی انکار کرنا پڑے گا' کیونکہ ملکیت زمین کی صورت میں عشر نکالنے کا مسئلہ پیدا ہو گا۔

چنانچہ "طلوع اسلام" کے اداریہ نویس نے پوری جرأت سے اپنے مذکورہ اداریے میں ان تمام چیزوں کا انکار کیا ہے۔ احادیث کو رد کرنے کے لیے تو ان حضرات کو یہ آسان سا صدری نسخہ مل گیا ہے کہ جس حدیث کو نہ ماننا ہو بغیر کسی ادنی تامل کے کہہ دیا جائے کہ یہ حدیث وضعی (من گھڑت) ہے۔ یہاں بھی یہی پیٹنٹ فارمولا استعمال کر کے ایسی تمام احادیث کو وضعی قرار دیا گیا ہے جن میں جمع شدہ مال پر زکوٰۃ نکالنے کا حکم ہے۔ بنابریں ذاتی ملکیت اور زمین کی ملکیت کی نفی کے لیے قرآن کی متعدد آیات میں معنوی تحریف کی گئی

ہے۔ مثلاً:

﴿ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَنَّ سَعْيَهُۥ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزَىٰهُ ٱلْجَزَآءَ ٱلْأَوْفَىٰ ﴿٤١﴾ ﴾ (النجم۵۳/ ۳۹۔۴۱)

"انسان کو وہی ملے گا جو اس کی سعی ہے اور اس کی سعی ضرور دیکھی جائے گی۔ پھر اس کی پوری جزاء اسے دی جائے گی۔"

یہ آیت آخرت کے متعلق ہے کہ وہاں انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے کمایا ہو گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ کسی کا بوجھ دوسرے پر ڈال دیا جائے' اور یقیناً اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی' پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

قرآن مجید کی یہ آیت جو اپنے سیاق و سباق میں سعی و عمل برائے آخرت کے لیے آئی ہے' اسے "طلوع اسلام" کے اداریہ نویس نے اپنے خالص مادی' دنیوی اور مزعومہ معاشی نظریے پر چسپاں کر کے یہ اشتراکی نظریہ کشید کیا ہے کہ "انسان صرف اسی کا حق دار ہے جس کے لیے وہ محنت کرے۔ اس نظام میں کسی کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی ہر ایک کو اس کے کام کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ یعنی اس نظام میں ہر فرد کاسب ہو گا محنت کش ہو گا کام کرے گا۔" (مئی ۹۷ء' ص:۲)

یہ وہی خالص کمیونسٹ اصول ہے جس کی رو سے کوئی شخص اپنی محنت کمائی (Earnedincome) کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا اگر اس آیت کا یہی مطلب ہو جیسا کہ اداریہ نویس نے لیا ہے تو احادیث کو تو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیجئے (کہ یہ اس کی حجیت ہی کے منکر ہیں) خود قرآن کے کئی احکام سے یہ آیت ٹکرائے گی۔

جیسے وراثت کا حکم ہے جس کی تفصیلات قرآن میں بھی ہیں کہ ایک شخص کے ترکے میں سے بہت سے افراد حصہ پاتے ہیں اور وہ اپنے حصے کے جائز مالک قرار پاتے ہیں حالانکہ یہ میراث ان کی اپنی محنت کی کمائی نہیں ہوتی حتی کہ ایک شیر خوار بچہ بھی میراث کے مال کا مالک قرار پاتا ہے جبکہ اس کی محنت کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اسی طرح زکوۃ و صدقات کے احکام ہیں جن کی رو سے ایک آدمی کا مال دوسروں کو

محض ان کے شرعی و اخلاقی استحقاق کی بنا پر ملتا ہے اور وہ بھی اس کے جائز مالک سمجھے جاتے ہیں۔ (بلکہ کئی علماء تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک کو شرط قرار دیتے ہیں) حالانکہ اس مال کے پیدا کرنے میں ان کی محنت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

اس لیے آیت کا ایسا مفہوم جو قرآن ہی کے دیگر احکام و قوانین سے ٹکرائے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور یوں ذاتی و زمینی ملکیت کی نفی کا اثبات' خود قرآن کے متعدد احکام کی نفی کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے تو علماء کہتے ہیں حدیث کا انکار' قرآن کے انکار کو بھی مستلزم ہے اور حجیت حدیث کا منکر ٹولہ قرآن کا بھی منکر ہے۔ یہی حال دیگر آیات کا ہے جن سے دجل و تحریف کر کے اداریے میں کام لیا گیا ہے۔ سب کا جائزہ لیا جائے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا' مذکورہ آیت کی وضاحت ہی سے بخوبی اداریہ نگار کے مبلغ علم' اندازِ استدلال اور قرآنی تحریف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مقصد اس کی اس ساری کدو کاوش کا یہ ہے کہ زکوٰۃ کے اُس مفہوم سے انکار کر دیا جائے جس پر قرآن و حدیث کی روشنی میں آج تک مسلمان عامل چلے آ رہے ہیں اس لیے کہ اس مفہوم سے بہرحال ذاتی ملکیت ہی کا اثبات ہوتا ہے جسے اشتراکیت گوارا نہیں کرتی اور "مفکر قرآن" ہیں کہ "قرآنی نظام ربوبیت" کے عنوان سے اشتراکیت کو اسلامی معاشرے میں نافذ کرانے کے درپے ہیں۔ اس لیے بیچارے مجبور ہیں کہ احادیث صحیحہ کا انکار کیا جائے' تعامل و تواتر امت کو نظرانداز کیا جائے۔ اس سے بھی کام بنتا نظر نہ آئے تو آیات میں معنوی تحریف کر کے مطلب برآری کر لی جائے۔ اقبال مرحوم نے ایسے ہی "مفکرین" کے لیے مختلف موقعوں پر کہا تھا ؎

خود بدلتے نہیں' قرآں کو بدل دیتے ہیں
کس درجہ ہوئے فقیہانِ حرم بے توفیق
احکام ترے حق ہیں' مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند
قرآن کو بازیچہء اطفال بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

دراصل پرویز اور اس کے فرقے کی تکنیک یہ ہے کہ جب بھی قرآن و حدیث پر مبنی فقہ اسلامی کے نفاذ کی بات ملک میں آتی ہے، تو اسی وقت مسلمانوں کے باہمی علمی اور عملی ذیلی اختلافات کو ہوّا بنا کر ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیتے اور مغالطوں کا انبار لگا دیتے ہیں اور سادہ روحوں کو متاثر کرنے کے لیے آڑ، ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی (غلط یا صحیح) لیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ مرحوم، اپنی ساری خوبیوں کے باوجود قرآن فہمی کے لیے کوئی اتھارٹی ہیں نہ اسلام کے لیے۔ وہ خود بھی فہم اسلام کے لیے قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کے ماہر علماء کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

آخر میں ہم پرویز بٹالوی کو یقین دلاتے ہیں کہ جمہور مسلمان اس کے "افکار عالیہ" کو انشاء اللہ کبھی ہضم نہ کر سکیں گے جیسا کہ اس کے ہم نام و ہم وطن غلام احمد قادیانی (متصل بٹالہ) کے "الہامات عالیہ" کو اس کے ہزار جتنوں کے باوجود ہضم نہیں کر پائے ؎

"نورِ حدیث ہے" "کفر" کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پیٹ کا مسئلہ : واقعہ یہ ہے کہ اشتراکی کوچہ گردوں (جس میں "طلوع اسلام" بھی شامل ہے) کی کاوشوں کی ساری تان پیٹ پر آکر ٹوٹتی ہے۔ جس طرح بھٹو نے روٹی، کپڑا، مکان کا نعرہ لگایا تھا، اسی طرح "طلوع اسلام" کے نزدیک بھی سب سے زیادہ اہم مسئلہ ء معاش ہی کا ہے۔ زکوٰۃ کے مفہوم میں تبدیلی کے پیچھے کارفرما عامل بھی دراصل اس کا یہی ذہن ہے۔

روزگار (معاش) کا مسئلہ بلاشبہ اپنی جگہ اہم ہے، اسلام اس سے ہرگز صرفِ نظر نہیں کرتا تاہم اسلام میں اس کی وہ حیثیت بھی نہیں جو حیثیت آج کل اسے معلوم وجوہ کی بنا پر دے دی گئی ہے۔ مادی و اشتراکی ذہن نے پیٹ کے مسئلے ہی کو سب کچھ بنا دیا ہے اور اسی بنیاد پر پورے نظامِ زندگی کا نفاذ کرتا ہے جبکہ اسلام کے نزدیک یہ مسائل، حیات کا ایک جزو ہیں، کل مسئلۂ حیات نہیں۔ وہ اسے مجرد معاشی نقطۂ نظر سے حل نہیں کرتا بلکہ وہ ایمان و اخلاق کے حوالے سے اس کی درستی کا قائل ہے۔ اس لیے اسلام کی نظر میں سرفہرست مسئلہ معاش نہیں، ایمان و اخلاق کی پختگی و درستی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ افرادِ معاشرہ اگر ایمان

سے بہرہ ور اور اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں گے تو وہاں مسئلہ معاش ازخود آسان اور فطری طریقے سے حل ہو جائے گا۔ اگر افرادِ معاشرہ ایمان و اخلاق سے بے بہرہ ہوں گے تو وہاں کبھی بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز "روٹی' کپڑا' مکان" کے نعرے سے نہیں کیا' حالانکہ امیر و غریب میں تفاوت اور معاشی ناہمواری اس دَور میں بھی بدترین شکل میں موجود تھی' بلکہ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز' شرک کی واشگاف تردید اور توحید کی تبلیغ سے کیا۔ عقیدے کی پختگی اور درستی کے بعد آپ نے تزکیۂ نفس اور تطہیرِ اخلاق پر زور دیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ عقیدہ و اخلاق کی درستی نے "پیٹ کے مسئلے" کو پیدا ہی نہیں ہونے دیا' ازخود اس کے حل کی راہیں نکل آئیں۔ بنابریں آج بھی ہمارے معاشرے کا سب سے اہم مسئلہ روزگار کا مسئلہ نہیں' جس طرح کہ "طلوعِ اسلام" اور دیگر اشتراکی اور آج کے اکثر سیاسی لیڈروں کا خیال ہے۔ بلکہ اصل ضرورت' ایمان و اخلاق کے درست کرنے کی ہے اور اسی پر معاش کی درستی کا انحصار ہے۔ ایمان و اخلاق کی تصحیح کے بغیر مجردِ معاشی اصلاح کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

آیت ﴿ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ سے غلط استدلال: مسئلۂ شکم ہی کو سب کچھ سمجھنے والے قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ ٱلْعَفْوَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۱۹)

"لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ انہیں کہہ دیں جو زائد از ضرورت ہے۔"

﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى ﴾ (النجم ۵۳/ ۳۹) کی طرح اس آیت سے بھی چونکہ عام طور پر غلط استدلال کیا جاتا ہے۔ "طلوعِ اسلام" نے بھی اپنے مخصوص نظریات کی تائید میں اسے پیش کیا ہے' اس لیے اس کا وہ مفہوم سمجھ لینا چاہیے جو مفسرین امت نے سمجھا اور بیان کیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر و تشریح میں مفسرین کے درمیان گو قدرے اختلاف ہے تاہم مآل

سب کا ایک ہے۔ دوسرے' کسی مفسر نے اس آیت سے وہ مطلب اخذ نہیں کیا جو آج کل کے اشتراکی ذہن کے لوگ عام طور پر خام مطالعہ یا مخصوص مقاصد و نظریات کے تحت لیتے ہیں۔

اس آیت کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ابتدائے اسلام میں جبکہ نصابِ زکوٰۃ کی تعیین نہیں ہوئی تھی' اس وقت یہ حکم دیا گیا تھا جو بعد میں نصابِ زکوٰۃ کی تعیین کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔

بعض کا خیال ہے کہ آیت مجمل ہے جس کی تفسیر و توضیح نبیِ اکرم ﷺ نے نصابِ زکوٰۃ بیان کر کے فرما دی۔ اس طرح یہ آیت نہ منسوخ ہے نہ اس کا تعلق خارج از زکوٰۃ سے ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک سرے سے اس کا تعلق زکوٰۃ سے ہے ہی نہیں' صدقاتِ فاضلہ سے اس کا تعلق ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ زائد از ضرورت مال میں سے جتنا بآسانی خرچ کر سکتا ہو' اسے انسانیت کی فلاح و بہبود پر صرف کرنے میں دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

ان میں سے جو مطلب بھی لیا جائے یہ بہرحال واضح ہے کہ اس سے وہ مفہوم کسی طرح بھی اخذ نہیں کیا جا سکتا جو آج کل لوگ اس سے کشید کر کے ذاتی ملکیت ہی کی نفی کے لیے اسے استعمال کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں پوری امت کا تعامل بھی اس آیت سے وہ مفہوم اخذ کرنے میں مانع ہے جو ''طلوعِ اسلام'' سمیت اشتراکی ذہن کے لوگ کر رہے ہیں یا جیسے بعض حضرات نے شاعرانہ ترنگ میں کیا ہے۔ علاوہ ازیں ''ضرورت'' کی تعیین بھی کیوں کر ہو گی؟ ہر شخص کی ''ضرورت'' دوسرے شخص کی ''ضرورت'' سے مختلف ہے پھر زائد از ضرورت'' کا ایک متعین اور قابل عمل مفہوم کیا ہو گا؟

<u>شرح نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ :</u> آخر میں ''طلوعِ اسلام'' کے اداریہ نویس نے بعض حضرات کے نامکمل اقتباسات پیش کر کے یہ تاثر دیا ہے کہ یہ حضرات بھی جو نصابِ زکوٰۃ کے قائل ہیں موجودہ حالات میں اس شرح زکوٰۃ پر مطمئن نہیں جو چودہ سو سال قبل رسول

اللہ ﷺ نے مقرر فرمائی تھی اور وہ اس میں حالات کے مطابق تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ گویا وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ ہم تو زکوٰۃ کے اس مفہوم کے پہلے ہی قائل نہیں ہیں جس پر چودہ سو سال سے امت مسلمہ عمل کرتی آ رہی ہے۔ (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے) تاہم جو حضرات احادیث رسول کی بنا پر زکوٰۃ اور اس کے نصاب کے قائل ہیں وہ بھی اب اس میں تبدیلی چاہتے ہیں۔

حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ امت مسلمہ اس امر پر متفق ہے کہ منصوص احکام میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں اور قرآن ہی کی طرح احادیث صحیحہ بھی اجماعاً حجت شرعیہ ہیں' بنابریں قرآنی احکام کی طرح وہ احکام بھی غیر متبدل ہیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ زکوٰۃ کا وجوب' نص قرآن سے ثابت ہے اور اس کا نصاب اور دیگر تفصیلات' رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے نہ زکوٰۃ کا انکار ممکن ہے نہ اس کے نصاب سے تغافل و اعراض کی کوئی گنجائش۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ چودہ سو سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں۔ کیا چودہ سو سال کے اس طویل عرصے میں انقلابات نہیں آئے؟ حالات و ظروف میں تبدیلیاں نہیں ہوئیں؟ اور نت نئے تقاضوں نے سر نہیں ابھارا؟ اگر منصوص احکام میں تبدیلی کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو کیا آج تک اسلام کا ہر حکم بدل نہ چکا ہوتا؟ یا اب اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو کیا پورے اسلام کا تیاپانچہ ہو کر نہیں رہ جائے گا؟ اسلام اپنی اصلی حالت میں اب تک موجود صرف اسی لیے ہے کہ ایک طرف اس کے منصوص احکام غیر متبدل ہیں۔ دوسری طرف اس میں اتنی جامعیت ہے کہ منصوص احکام میں تبدیلی کیے بغیر وہ ہر دور کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ نصوص قرآن و حدیث کی یہی وہ ہمہ گیر وسعت ہے جو اس کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام میں تشکیک پیدا کرنے والے اور اس میں قطع و برید کا مشورہ دینے والے اسلام کے خیر خواہ نہیں' اس کے دشمن ہیں۔ وہ اس کے روئے آب دار کو مسخ کرنا چاہتے ہیں اور اس کی جامعیت و ہمہ گیریت کو ختم کر کے درحقیقت اس کو اپنے نفسانی تقاضوں کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔

زکوٰۃ شرعاً عبادت ہے' ٹیکس نہیں: دراصل ایسے لوگ جو زکوٰۃ کی شرعی حیثیت میں غلط فہمی یا مغالطے کا شکار ہیں وہ زکوٰۃ کو ایک قسم کا حکومتی ٹیکس سمجھتے ہیں جس میں حکومتِ وقت کو اپنی ضروریات اور حالات و ظروف کے مطابق کمی بیشی کا حق ہوتا ہے۔ (''طلوع اسلام'' کے اداریہ نویس نے بھی زکوٰۃ کا خود ساختہ مفہوم اس کو ٹیکس سمجھتے ہوئے یہی بیان کیا ہے) حالانکہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں' عبادت ہے۔ بنابریں اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے زکوٰۃ کی تعبدی شان کا سمجھنا بڑا ضروری ہے۔

چند امور پر غور کرنے سے زکوٰۃ کی تعبدی حیثیت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ مختصراً وہ امور درج ذیل ہیں۔

❁ جن پانچ ارکان پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ﴿ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ ﴾ ان میں کلمۂ توحید کے بعد حج' نماز' روزہ اور زکوٰۃ ہے اور ان چاروں ارکان کی شرعی حیثیت عبادت کی ہے۔ ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جا سکتی۔

❁ قرآن میں بیشتر مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے۔ قرآن بار بار ﴿ اَقِيْمُوا الصَّلَاةَ ﴾ کے ساتھ ﴿ وَآتُوا الزَّكَاةَ ﴾ کی بھی تلقین کرتا ہے جس سے صاف واضح ہے کہ اس کی نظر میں زکوٰۃ بھی اسی طرح عبادت ہے جس طرح نماز ہے۔

❁ خلافت صدیقی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سب سے پہلا اجماع' منکرین زکوٰۃ کے ارتداد اور واجب القتل ہونے پر ہوا اور ان سے کافروں کی طرح جنگ کی گئی۔ ان کے مَردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا۔ اگر زکوٰۃ کی حیثیت ٹیکس کی ہوتی تو ٹیکس کے انکار سے کوئی مسلمان' کافر اور واجب القتل نہیں ہوتا دراں حالیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان مانعین زکوٰۃ کو باجماع مرتد قرار دیا اور ان سے جنگ کی۔

❁ زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض ہے' اسلامی قلم رَو میں بسنے والے کافروں پر نہیں۔ حالانکہ اگر یہ ٹیکس ہوتا تو بلا تفریق مسلم و کافر' اسلامی قلم رو میں بسنے والے ہر شخص پر عائد ہوتا نہ کہ صرف مسلمانوں پر۔ اس سے واضح ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جس کا مکلف مسلمان ہی ہے۔

۞ قرآن نے زکوٰۃ کی وہ مدات بھی بیان کر دی ہیں جہاں زکوٰۃ صرف کی جائے گی اور وہ آٹھ مصارف ہیں۔ ان کے علاوہ کسی جگہ زکوٰۃ خرچ نہیں کی جا سکتی اور کسی حکومت کو بھی حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ کو بھی اس میں تبدیلی کا مجاز تسلیم نہیں کیا گیا حالانکہ یہ ٹیکس ہوتا تو اس کے مصارف متعین نہ ہوتے۔ ہر حکومت کو حق حاصل ہوتا کہ وہ اپنی صواب دید اور ضروریات کے مطابق جس طرح چاہے خرچ کرے جس طرح عموماً ٹیکسوں میں ہوتا ہے۔

۞ علاوہ ازیں زکوٰۃ کے لیے جو شرعی الفاظ مستعمل ہیں وہ بجائے خود اس کی عبادتی شان کے مظہر ہیں۔ زکوٰۃ' تزکیہ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے کہ زکوٰۃ' زکوٰۃ ادا کرنے والے کے جان و مال کی تطہیر کا سبب ہے جس طرح کہ احادیث میں اس کی وضاحت آتی ہے۔ اس کے لیے دوسرا لفظ "صدقہ" ہے جو بکثرت زکوٰۃ کے لیے استعمال کیا گیا ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾ (التوبۃ۹/ ۱۰۳)

"(اے نبی!) آپ ان کے مالوں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے کر ان کے مالوں کو پاک اور ان کے نفوس کا تزکیہ کر دیں۔"

ظاہر ہے کہ صدقہ اسی کو کہتے ہیں جو محض اللہ کے لیے اور ثواب کی نیت سے ادا کیا جائے اور یہ اجر و ثواب کی نیت ہی اس کے عبادت ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے۔ ٹیکس کو نہ کسی نے کبھی صدقے سے تعبیر کیا ہے نہ اس کی ادائیگی میں اجر و ثواب کی نیت ہوتی ہے۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ ٹیکس کے لیے عربی زبان میں کوئی لفظ نہ آتا ہو اور الفاظ کی تنگ دامانی کی وجہ سے ٹیکس کو زکوٰۃ ہی سے تعبیر کر دیا گیا ہو۔ بلکہ ٹیکس کے لیے عربی میں عام طور پر ضریبہ (جمع ضرائب) بولا جاتا ہے۔ اس سے اجتناب ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ٹیکس (ضریبہ) اور ہے اور زکوٰۃ اور۔

۞ بہرحال مذکورہ امور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ اسی طرح ایک عبادت ہے جس طرح نماز' روزہ' حج اور دیگر عبادات ہیں اور جس طرح عبادت کی ہیئت (کیفیت و کمیت) میں تبدیلی کا کوئی مجاز نہیں' اسی طرح شرحِ زکوٰۃ میں بھی کمی بیشی کا کسی کو اختیار

حاصل نہیں ہے۔

پھر ان سب سے بڑھ کر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ چودہ سو سال سے امت مسلمہ زکوۃ ادا کرتی آ رہی ہے۔ بڑے بڑے انقلاب آئے' حالات و ظروف بدلے' لیکن تغیر حالات سے کسی نے یہ استدلال نہیں کیا کہ زکوۃ کی شرح میں تبدیلی کر دی جائے۔ حالات صرف آج ہی نہیں بدلے۔ یہ تو بدلتے ہی آئے ہیں۔ ع

ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں

لیکن ان کے ساتھ ساتھ اگر اسلامی احکام کے بھی بدلنے کی اجازت ہوتی' جس طرح کہ آج کل کے متجددین کی سعی اور خواہش ہے' تو مذہب اسلام میں وہ تبدیلیاں کبھی کی رونما ہو چکی ہوتیں جن کے لیے آج یہ متفکرین و متجددین پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔

(ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور جلد:۳۰' ۱۹۷۹ء)

توحید اور شرک کی حقیقت
(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

رمضان المبارک
فضائل، فوائد وثمرات، احکام ومسائل اور کرنے والے کام

فضائلِ عشرہ ذوالحجہ اور عیدُ الاضحیٰ
احکام ومسائل

مسنون نماز اور روزمرہ کی دعائیں
صحیح احادیث کی روشنی میں نماز کے احکام ومسائل پر ایک جامع کتاب

رسوماتِ محرم الحرام اور سانحۂ کربلا

مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں
مسئلہ ولایتِ نکاح کا ایک تحقیقی جائزہ

نفاذِ شریعت کیوں اور کیسے؟

اسلامی معاشرت

دار السلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاهور
لندن • هيوسٹن • نیو یارك